انیسویں صدی کا عظیم جرنیل

زور آور سنگھ

مرتبہ

دیوان نرسنگداس نرگس رئیس التحریر چاند جموں

چاند پبلشنگ ہاؤس جموں

انیسویں صدی کا عظیم جرنیل

زورآور سنگھ

مرتبہ

دیوان نرسنگداس نرگس رئیس التحریر چاند جموں

چاند پبلشنگ ہاؤس جموں

اشاعت دوم ——— ایک ہزار

قیمت ——— تین روپے ۵۰ پیسے

(ڈاک خرچ علاوہ)

دسمبر ۱۹۶۴ء

شری اقبال نرگس جنرل منیجر چاند پبلشنگ ہاؤس جموں

نے

چاند پریس جموں میں چھپوا کر شائع کیا۔

(خوشنویس نتھو رام)

خواجہ غلام محمد صادق

وزیر اعظم جموں و کشمیر

PRIME MINISTER
JAMMU AND KASHMIR

No. 586/PM-64.
Srinagar
July 10, 1964.

Dear Mr. Nargis,

I am glad to have your letter of July 7, '64, and to learn about your book on the life of General Zorawar Singh Ji.

General Zorawar Singh was a great soldier and his heroic deeds will always form a glorious chapter of our history.

I hope the book which you propose to publish will provide a thorough study of the life of the late General and help in a proper understanding of the events of that period.

With good wishes,

Yours sincerely,

G. M. SADIQ

پیش لفظ

اُنیسویں صدی کے عظیم جرنیل وزیر زور آور سنگھ کی زندگی کے حالات پر چند ایک مورخین نے اپنے اپنے نکتہ نگاہ سے روشنی ڈالی ہے۔ لیکن آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی گئی جو کہ مکمل طور پر زور آور سنگھ کی سوانح حیات سے متعلق ہو اور جس میں اس جرنیل کے ایامِ بچپن سے لے کر آخر تک کے تمام کارنامے آئے ہوں۔

جرنیل زور آور سنگھ کے متعلق کہیں کہیں یہ لکھا پایا جاتا ہے کہ "زور آور سنگھ اصل میں علاقہ کلہور بلاسپور (ہماچل پردیش) کے ایک راجپوت گھرانے کا چشم و چراغ تھا" لیکن وہ جموں پرانت میں کب آیا اور اُس کا مہاراجہ گلاب سنگھ سے تعارف کب اور کس مقام پر ہوا، اِس کے متعلق آج تک مورخین روشنی نہیں ڈال سکے تھے۔

مَیں جب بانیٔ ریاست جموں و کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کی تاریخ مرتب کر رہا تھا تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ زور آور سنگھ ایسے عظیم جرنیل کے متعلق اُس کے بچپن یا پہلی زندگی کے حالات کو نظر انداز کر کے اِس پر اکتفا کرنا کہ اُس نے ایک پرائیویٹ سپاہی کے طور ریاسی کے قلعہ میں ملازمت کی ابتداء کی، اُس شخص سے سراسر بے انصافی ہے جس نے دُنیا پر اپنی بہادری اور جنگی کارناموں کا سُنہری نقش چھوڑا ہو۔

زور آور سنگھ ۱۸۱۷ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ سے ملا اور ریاسی میں قلعہ بھیم گڑھ کے محافظ دستہ میں معمولی سپاہی کے طور بھرتی کر لیا گیا۔ لیکن اِس سے

پہلے کی زندگی اُس نے کہاں بتائی، فوجی تربیت کہاں حاصل کی، کہاں پرورش پائی۔ اپنے آبائی وطن کلہور سے کیسے ہجرت کر آیا اور جموں کیسے پہنچا۔ اِس کے متعلق تاریخ خاموش ہے۔ کسی بھی مورخ نے زور آور سنگھ ایسے عظیم جرنیل کی پیدائش، بچپن اور ریاسی کے قلعہ میں بھرتی ہونے تک کے حالات اور حقیقت پر سے پردہ اُٹھانے کی زحمت گوارا نہ کی۔ چنانچہ مجھے اِس بارے سخت تشویش رہی اور خوش قسمتی یہ کہ جب میں تاریخ گلاب سنگھ کا دوسرا ایڈیشن اشاعت کے لئے پریس میں دے رہا تھا تو مرمت گلیھان کے رانا خاندان کے رانا گوپال سنگھ طالب سے اتفاقیہ مُلاقات ہو گئی جنہوں نے ملتے ہی سوال کیا کہ "مہاراجہ گلاب سنگھ کی تاریخ میں جرنیل زور آور سنگھ کے کارنامے تو ہم نے پڑھ لئے ہیں لیکن زور آور سنگھ کے بچپن اور تعلیم و تربیت کے بارے میں تم نے کچھ نہیں لکھا"۔ میں کیا جواب دیتا۔ مجھے معلوم ہوتا تو لکھتا۔ چنانچہ راہ میں کھڑے کھڑے ہی رانا گوپال سنگھ نے زور آور سنگھ کی پیدائش، بچپن اور گھر سے فرار ہو کر ہری دوار میں ایک مزدور کے طور مرمت گلیھان کے رانا جسونت سنگھ کے کیمپ میں پہنچنے اور وہاں سے رانا موصوف کے ساتھ گلیھان میں آنے، پرورش پانے، گھوڑ سواری، نیزہ بازی، تلوار چلانے اور گتکا سیکھنے کے سارے حالات بیان کئے۔ اور یہ بھی کہا کہ زور آور سنگھ گلیھان سے بھاگ کر جموں میں مہاراجہ گلاب سنگھ سے کہاں ملا اور کیسے ملازمت اختیار کی۔ یہ سب باتیں میں تمہیں کسی وقت لکھوا دوں گا"۔

اِس طرح سے زور آور سنگھ کے بچپن سے آغازِ شباب تک کی جو باتیں پردۂ راز میں تھیں، میں نے اکٹھی کر کے تاریخ گلاب سنگھ کے دوسرے ایڈیشن میں دے دیں۔ اور اب جبکہ میں وزیر زور آور سنگھ کی مکمل سوانح حیات کو کتابی تشکل میں پیش کر رہا ہوں تو اور بھی کئی باتیں جرنیل زور آور سنگھ کے متعلق درج

کی جا رہی ہیں جو کہ آج تک تاریخ کی زینت نہیں ہو سکی تھیں۔

ایک ایسا بہادر جرنیل جس نے اپنی اولوالعزمی اور جوانمردی کی بدولت ہندوستان کا جھنڈا پہلی بار وسط ایشیا میں جا گاڑا۔ جس نے تبت پر لشکر آرائی کر کے شہرت دوام حاصل کی۔ جس نے تبت کے یخ بستہ ماحول میں جو آخری لڑائی لڑی اُس کے متعلق الیگزینڈر کننگھم اپنی کتاب موسومہ "لداخ" میں لکھتا ہے کہ "گلاب سنگھ کی فوجیں زیر کمان وزیر زور آور سنگھ راستے میں آنے والی ہر ایک رکاوٹ اور دشواری کو روندتی اور لتاڑتی ہوئی مانسرور تک جا پہنچیں۔ یہ ۱۲ دسمبر ۱۸۴۱ء کا دن تھا جب مہاراجہ گلاب سنگھ کے باوفا جرنیل زور آور سنگھ نے ہندوستان کی وسعت پر جان عزیز نچھاور کر دی۔ یہ جنگ سطح سمندر سے ۱۵ ہزار فٹ سے زیادہ بلندی پر اُس وقت لڑی گئی جب سردی اپنے انتہائی جوبن پر تھی۔ اور عین دوپہر کے وقت بھی درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے نیچے ہی رہتا تھا۔ اور رات کی سردی صرف وہی لوگ برداشت کر سکتے تھے جو بھیڑوں یا بھیڑیوں کی کھالوں میں لپٹے ہوئے ہوں اور جن کے گرد و پیش آتشیں انگیٹھیاں دہک رہی ہوں۔"

دنیا کے فاتحین میں نپولین کا نام خاص طور پر مشہور ہے ہو دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جس میں اُس کی بہادری کے گیت نہ گائے گئے ہوں۔ اُس کے بڑے بڑے کارناموں میں فرانس سے اٹلی جاتے ہوئے کوہ ایلپس کو پار کرنا ایک خاص کارنامہ ہے۔ جس پہاڑ کی بلندی سطح سمندر سے آٹھ نو ہزار فٹ سے کم ہے۔ لیکن زور آور سنگھ نے جن پہاڑوں کو عبور کیا وہ اُس پہاڑ سے دوگنی بلندی کے حامل ہیں۔ نپولین اور اُس کی فوجوں کا مقابلہ یورپ کے تمام ممالک کی فوجیں مل کر بھی نہ کر سکتی تھیں۔ چار لاکھ فوج لے کر ۱۸۱۲ء میں اُس

نے ماسکو پر چڑھائی کی۔ رُوس کی سردی اور برف نے اُس کی اس عظیم فوج کا ایسا صفایا کیا کہ نپولین کی طاقت ٹوٹ گئی اور دو سال بعد وُہ انگریزوں کا قیدی بن گیا۔ مگر ڈوگرہ جرنیل زور آور سنگھ نے اپنی فوج کو وہاں سے جاکر بچایا جہاں ماسکو سے بھی بہت زیادہ سردی پڑتی تھی، ہوا اتنی پتلی تھی کہ سانس نہ لیا جا سکتا تھا۔ نپولین کو اپنی فوج کے نقصان سے دوبارہ رُوس کی طرف جانے کا حوصلہ نہ ہوا لیکن زور آور سنگھ کی فوج کی تباہی اور خود اُس بہادر جرنیل کی موت نے بھی اُس کے بچے کھچے لیفٹیننٹوں کے حوصلہ کو پست نہیں کیا۔ بلکہ اُنہوں نے آخر اُس علاقہ کو ہندوستان کا حصّہ بنا کر چھوڑا۔ جہاں کہ اُن کے بہادر جرنیل نے اپنے خون سے نشان دہی کی تھی۔

سکندر کو دُنیا سکندرِ اعظم کہتی ہے۔ وُہ ایک جرّی اور طاقت ور فوج لے کر یُونان سے چلا اور چند لڑائیوں کے بعد اُس نے دریائے سندھ تک کا علاقہ اپنے ماتحت کر لیا۔ راجہ ابھی سے اُسے ہزارہ، راولپنڈی، مری وغیرہ کے علاقے بلا لڑائی کے مل گئے۔ اُس کی اس جرار فوج اور جرنیلوں کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ وُہ کشمیر کی بلندیوں پہ نظر کر سکتے۔ حالانکہ کشمیر اور لداخ کو جانے والے دونوں ناکے اُس کے قبضہ میں تھے لیکن زور آور سنگھ نے لداخ پر اُس راستہ سے چڑھائی کی جس کا کوئی پڑاؤ یا مقام اُس کے قبضہ میں نہ تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ سکندرِ اعظم اور نپولین بونا پارٹ بھی زور آور سنگھ کی گرد راہ تک نہیں پہنچ سکے۔ وُہ ایک ایسا بہادر سپہ سالار تھا کہ دُنیا کی تاریخ میں اُس کے پایہ کا کوئی جرنیل نہیں مل سکتا۔

آج کسی علاقہ کو فتح کرنے اور فاتح کہلانے کے جو معنی ہیں، آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے نہ تھے۔ پچھلی جنگ میں ہٹلر کا نام دُنیا میں گونجتا تھا۔

جاپان کے ٹوجو نے پرل ہاربر تک مار کر کے ملک کے بعد ملک کو جاپان کے ماتحت کر کے دُنیا کو حیران کر دیا تھا۔ امریکہ کے پریذیڈنٹ کے ایک حکم سے جاپان کی وسیع سلطنت مٹی میں مل گئی۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرائے گئے دو ایٹم بموں نے لاکھوں جاپانیوں کو جس طور نیست و نابود کیا، تاریخ اُس خونچکاں ٹریجڈی کو فراموش نہیں کر سکتی۔ ہٹلر کے ہزاروں ہوائی جہاز بم گراتے ہوئے آسمان پر پرواز کرنے لگے۔ اُن کے نیچے ہزاروں ٹینکوں کا قافلہ توپوں سے گولے برساتا ہوا آگے بڑھا۔ پیچھے سے ۸۰۔۰۰ میل دُور تک گولے پھینکنے والی توپوں نے فرانس میں دہشت پھیلا دی۔ اور اِس طرح فرانس چند دنوں میں فتح ہو گیا۔ مگر زور آور سنگھ کے پاس کیا تھا؟ نہ بم نہ ہوائی جہاز، نہ ٹینک اور نہ دُور مار توپ نہ رائفل۔ اور اِن چیزوں کے علاوہ سڑکیں ندارد۔ ڈاک کا انتظام نہیں۔ ریل، تار، تار برقی وغیرہ کا ابھی نام نہ سُنا گیا تھا۔ جو بندوق استعمال کی جاتی تھی (نمونہ ڈوگرہ آرٹ گیلری جموں میں موجود ہے) اُسے اُٹھا کر چلنا بھی مشکل تھا۔ باربرداری کے لئے ٹٹو یا قاطر اور قلی استعمال کئے جاتے تھے۔ راستہ پُوچھ کر چلنا پڑتا تھا۔ پگ ڈنڈیوں کے سہارے یا راستہ بنا کر فوج آگے بڑھتی تھی اور فوج کی تعداد آج کل کے مقابلے میں بالکل ہی کم۔ ایسے کم ذرائع اور معمولی وسائل کے ساتھ بہادر زور آور سنگھ نے علاقے پر علاقہ ہندوستان کے ماتحت کیا۔ اور علاقہ بھی وہ جس میں انتہائی بلند پہاڑ اور درّے ہیں کہ آج بھی اُنہیں پار کرنا مشکل ہے۔

ہندوستان کی سرحدوں کو چین اور تبت تک پہنچانا وزیر زور آور سنگھ کا ہی کام تھا وُہ ایک اعلےٰ پایہ کا جرنیل ہی نہ تھا، ایک باشعور مدبّر بھی تھا۔ امور مملکت میں اُسے دسترس حاصل تھی لداخ اور بلتستان کی برف پوش چوٹیوں کو عبور کرنا ایک یا دو بار نہیں، چھ بار یورش کرنا اُسی جرنیل کا حصہ ہے۔ وزیر زور آور سنگھ ایک

زبردست فاتح اور ایک بلند کردار سپاہی تھا۔

میں نے جرنیل زورآور سنگھ کی بالتصویر سوانح حیات بزبان اُردو پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔ اگر عوام میں اپنے نامور جرنیل کے حالات دلچسپی سے پڑھے اور سُنے گئے تو میں کوشش کروں گا کہ اسے ہندی اور انگریزی میں بھی ترجمہ کر کے شائع کیا جائے۔

جرنیل زورآور سنگھ کی زندگی کے واقعات مختلف تواریخوں سے اخذ کئے گئے ہیں اور سینہ بسینہ چلی آرہی باتوں کو بھی درج کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی پُرانے اور موجودہ لداخ کے رسم و رواج اور وقت وقت کے انتظامیہ اور بدلتے ہوئے عوامی رُجحان کے متعلق بھی زیرِ نظر کتاب میں لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اِس طرح پچھلے ڈیڑھ صد سالوں کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات بھی اِس میں تھوڑے بہت لائے گئے ہیں۔ اگر عوام میں میری یہ تاریخی پیشکش قبول ہو جائے تو زہے قسمت۔

نرسنگداس نرگس

اُنیسویں صدی کا عظیم جرنیل

وزیر زورآور سنگھ
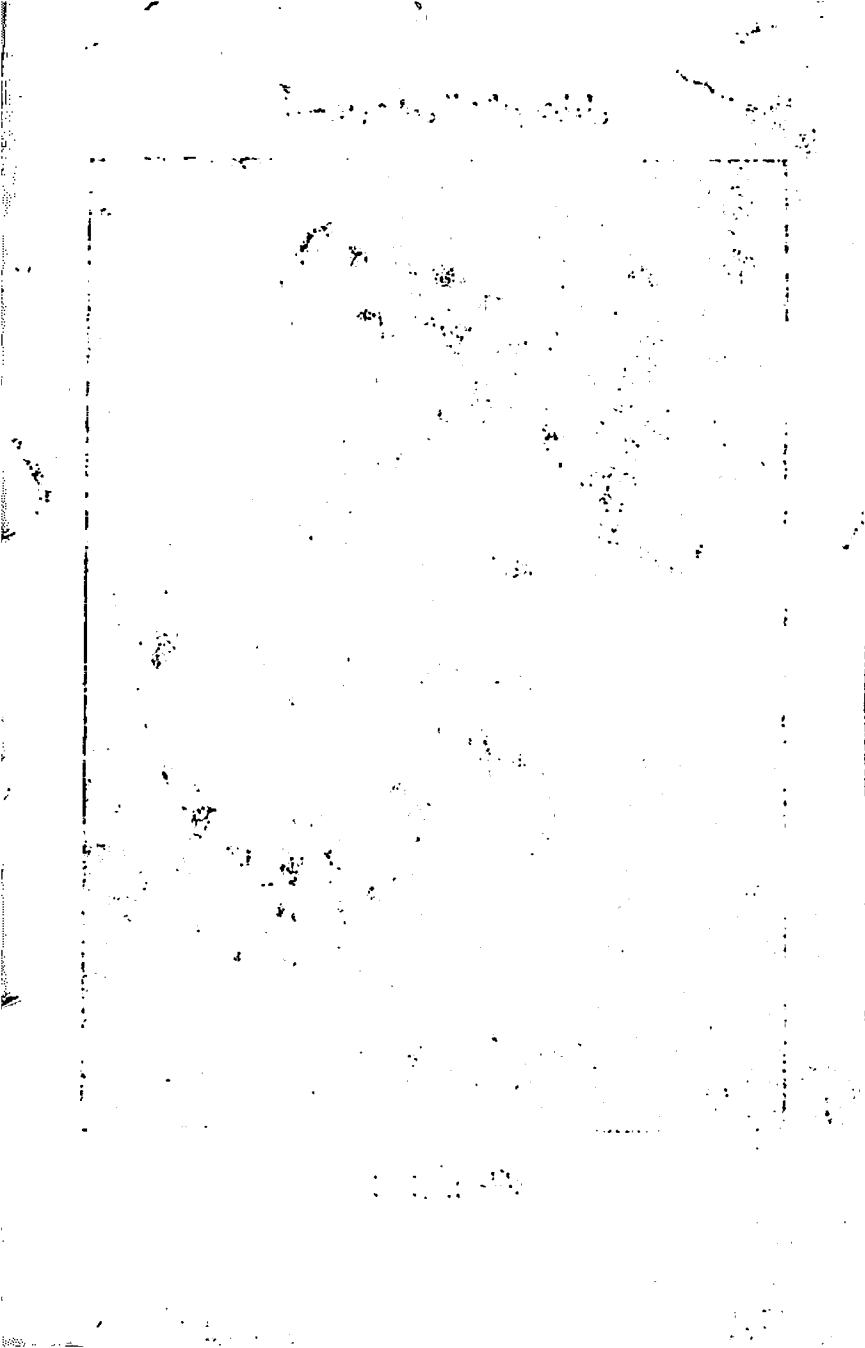
زورآور سنگھ

اٹھارھویں صدی کے آخیر میں جب کہ دِلّی سے اسلامی حکومت کے پاؤں اُکھڑ چکے تھے۔ ہندوستان میں مغل سلطنت موت کی ہچکیاں لے رہی تھی۔ ایک طرف مرہٹے اقتدار حاصل کر رہے تھے تو دُوسری طرف دکن میں نظام شاہی کا بول بالا ہو رہا تھا۔ پنجاب میں سکھ اُبھر رہے تھے۔ سکرچکیا، بھنگی اور گھنیا سکھ مِسلوں کی آپس میں رقابت بڑھ رہی تھی۔ پنجاب اور کوہستانی ڈوگرہ دیس (کانگڑہ اور جموں پرانت) سیاسی ابتری کا منظر بنے ہوئے تھے اور ان علاقوں میں ایک عام آدمی کی زندگی خوفناک حد تک پریشان تھی۔ یہاں تک کہ عوام کو روزمرّہ کی ضروریاتِ زندگی کا میسّر آنا بھی مُشکل ہو گیا تھا۔ ڈوگرہ دیس چھوٹی چھوٹی حکمرانیوں اور راجواڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ یہی وہ غیر یقینی زمانہ ہے جب کہ ۱۷۸۶ء میں زورآور سنگھ نے موضع کلھُور بلاس پور (ہماچل پردیش) کے راجپوت گھرانے میں جنم لیا۔

ابتدائی زندگی

زورآور سنگھ کے بچپن کی کوئی خاص بات تو نہیں۔ لیکن جب وہ پیدا ہوا تو کانگڑہ کے ایک پرسدھ جیوتشی گنگا رام نے جب کہ وہ راجہ بلاسپور کا مہمان تھا، زائچہ ولادت

بنایا۔ اور زورآور سنگھ کے باپ کو کہا کہ بچہ اس کا اپنی بہادری کی بدولت ایک عالم میں ڈنکا بجے گا۔ اور رہتی دنیا تک اس کا نام ناقابل فراموش رہے گا لیکن گرہوں کے حساب سے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ اسے جنم بھومی میں قیام نہ ملے گا اور کسی دور دیس میں جا کر اپنا گھر بسائے گا۔ اور وہاں ہی کا ہو کر رہے گا۔ سولہ برس کی عمر میں اس کے ہاتھ سے جیو ہنسیا ہو گی جس سے پشیمان ہو کر گھر سے فرار ہو جائے گا اور پھر زندگی بھر واپس نہ آسکے گا۔ چنانچہ جوتشی کا کہنا درست نکلا۔ اور جب زورآور سنگھ نے سولھویں سال میں قدم رکھا تو اپنے یک جدیوں سے وراثت پر جھگڑا ہو گیا اور اس ہنگامہ میں اس کا چچا زاد بھائی ہلاک ہو گیا۔ اپنے ایک نزدیکی بھائی کے قتل کے واقعہ نے اس پر گہرا اثر کیا اور وہ پرائشچت کی خاطر تیرتھ یاترا کے لئے کھلور سے چل پڑا۔ چنانچہ کئی ہفتوں کی مسافت کے بعد ہری دوار پہنچا۔ اور محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالنے لگا۔

رانا گلیھان کا اردلی

حسن اتفاق یہ کہ رانا جسونت سنگھ والئے گلیان و مرت (موجودہ تحصیل ڈوڈہ صوبہ جموں و کشمیر) ۱۸۰۳ء میں اپنے بڑے لڑکے رانا فتح سنگھ کو راج گدی دے کر تیرتھ یاترا کے لئے ہری دوار آیا تھا۔ اس وقت جموں میں مہاراجہ رنجیت دیو کا پوتا راجہ جیت سنگھ راج کرتا تھا۔ ایک دن رانا کے کیمپ میں گنگا کے کنارے اس کے لنگر میں مزدوری کرنے کے لئے زورآور سنگھ آیا۔ رانا جسونت سنگھ نے مزدور لڑکے کو دیکھا اور پوچھنے لگا "تم کہاں کے رہنے والے ہو؟" زورآور سنگھ نے جواب دیا "میں یہاں محنت مزدوری کرتا ہوں اور دور پہاڑ کا رہنے والا ہوں"۔ چونکہ اپنی اور اس کی بولی میں کوئی خاص فرق نہ دیکھ کر اس کا حسب نسب نام و پتہ دریافت کر لیا اور کہا کہ تم آج سے مزدوری نہیں کرو گے بلکہ میرے ساتھ رہو گے۔ تم

اپنے گھر واپس جانا نہیں چاہتے لیکن میں تمہیں اپنے ساتھ اپنے گھر دُور پہاڑ میں لے جاؤں گا۔ اس طرح زورآور سنگھ رانا جسونت سنگھ کے ساتھ ہری کا دوار سے گلیان چلا آیا۔ بہادر تو فطرتاً تھا ہی۔ تلوار چلانا بچپن سے ہی جانتا تھا۔ رانا جسونت سنگھ کی سرپرستی میں اُس نے نیزہ بازی، سواری اور اُس وقت کے تمام جنگی ہتھیاروں کے چلانے میں مہارت حاصل کر لی گلیمان میں اُس نے ایک پرستدہ یوگی سے یوگ ابھیاس بھی سیکھ لیا۔ اور رُوحانی شکتی میں ترقی کی۔ اُس وقت کے رواج کے مطابق زورآور سنگھ نت برت اور گئو برہمن کی سیوا میں بھی مگن رہتا۔ برہم چریہ کا اُس نے برت دھارن کر لیا۔ اُس کے ایسے نیک اور بہادری کے اوصاف سے متاثر ہو کر رانا جسونت سنگھ کے سُپتر رانا فتح سنگھ جو کہ گلیان پر حکومت کرتے تھے نے زورآور سنگھ کی شادی اپنے رشتہ داروں میں ایک لڑکی سے طے کر دی۔ لیکن زورآور سنگھ نے جو برہمچاری رہنے کی پرتگیا کر چکا تھا، صاف انکار کر دیا۔ زورآور سنگھ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ وہ ایک من وزنی مگدر جو کہ اس وقت بھی گلیان میں موجود ہے، ہر روز صبح ورزش کے طور ایک ہاتھ سے اُٹھا لیتا۔ اور کتنی ہی دیر اُٹھائے پھرتا۔ یہاں زورآور سنگھ کا ایک یوگی کے پاس آنا جانا ہو گیا۔ وُہ یوگی عرصہ ۱۲ سال سے جنگل میں تپسیا کر رہا تھا۔ یوگی سے یوگ ابھیاس سیکھنے لگا۔ اور روحانیت میں کافی ترقی کی۔ زورآور سنگھ ایک سپاہی کی تربیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ برہم چاری اور یوگی بننے لگا۔

شاہ شجاع کی خوشنودی

۱۸۱۵ء میں کابل کا امیر شاہ شجاع ترکِ وطن کر کے پنجاب سے ہوتا ہُوا کشتواڑ جا رہا تھا۔ یہ وہی شاہ شجاع ہے جس کی فوج میں بھرتی ہوتے کے لئے مہاراجہ گلاب سنگھ سولہ سال کی عمر میں اپنے دادا میاں موٹا سنگھ کے طعنے سے

ناراض ہو کر بھاگا تھا لیکن دریائے سندھ پر پہنچ کر ہمراہیوں نے کابل جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس شاہ شجاع کو بکرزئی قبیلہ نے بغاوت اختیار کر کے افغانستان کے تخت سے اتار دیا تھا اور اُس دن سے اُس بدنصیب حکمران کے کہیں پاؤں نہ جمے تو وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس پناہ گزین ہوا۔ کوہ نور ہیرا بھی اسے تحفہ کے طور دے دیا۔ لیکن کابل واپس نہ جا سکا اور اُس کے من کی مُراد بر نہ آئی۔ چنانچہ شاہ شجاع جب کشتواڑ جاتا ہوا کھلینی کے مقام پر پہنچا تو حرمت گلیھان کے رانا فتح سنگھ کی طرف سے اُس کی خاطر تواضع اور مہمان نوازی کے لئے زور آور سنگھ کو بھیجا گیا۔ شاہ شجاع نے دس پندرہ یوم بمقام کھلینی قیام کیا اور زور آور سنگھ کے حسن سلوک اور خاطر داری سے بے حد خوش ہوا۔ اُس نے رانا فتح سنگھ سے زور آور سنگھ کو کشتواڑ تک لے جانے کے لئے استدعا کی لیکن زور آور سنگھ نے جانے سے انکار کر دیا کہ یہاں بچپن سے میری پرورش ہوتی ہے۔ میں یہ جگہ چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتا۔ چنانچہ شاہ شجاع نے زور آور سنگھ کو انعام کے طور ایک بیش قیمت تلوار عطا کی جو کہ آج بھی اُن کے خاندان میں موجود ہے۔

میاں ڈیڈو سے ملاقات

اُس کے بعد سرزمین ڈوگرہ کا مایہ ناز گوریلا جرنیل میاں ڈیڈو اپنی جانبازہ پارٹی کو لے کر بھدرواہ جا رہا تھا تو رانا فتح سنگھ نے اُس کی بھی مہمان نوازی کے لئے بمقام کھلینی زور آور سنگھ کی ڈیوٹی لگائی۔ ڈوگرہ دیس کے دو بہادر جرنیلوں کی ملاقات عجیب حالات میں ہوئی۔ اُس وقت میاں ڈیڈو کو کیا پتہ تھا کہ جو شخص زور آور سنگھ کے نام سے رانا فتح سنگھ کا اردلی بن کر میری آؤ بھگت کے لئے تعینات ہے یہ کسی دن ہندوستان کی سرحدیں ہمالیہ کے اُس پار تبت تک پہنچا کر دنیا کا ایک عظیم جرنیل اور فاتح ثابت ہوگا۔ لیکن حادثہ یہ ہوا کہ دو تین دن بعد کھلینی کے ملحقہ گاؤں سارمیں

کے ہری جن مہگھوں نے رات کو دیوی کا جاگرنہ کیا اور رواج کے مطابق ڈھول بجائے۔
اس سے میاں ڈیڈو کی پارٹی میں یہ غلط فہمی پھیل گئی کہ راناّ فتح سنگھ ہمیں مہمان بنا کر
دھوکے سے مارنا چاہتا ہے۔ چنانچہ میاں ڈیڈو کے حکم سے موضع کھلیتی کو جلا دیا گیا۔
اور پارٹی لوٹ مار کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ جب اس حادثہ اور لوٹ مار کا علم رانا
فتح سنگھ کو ہوا تو اس نے زور آور سنگھ کو بہت بُرا بھلا کہا اور لعنت ملامت کی۔
یہ بھی کہا کہ تم تو بزدل ہو لیکن زور آور سنگھ نے جواب دیا۔ "میاں ڈیڈو آپکا رشتہ دار
ہے۔ میں تو مہمان نوازی کے لئے بھیجا گیا تھا نہ کہ لڑائی کے لئے۔"

گلیہان سے فرار

بُزدلی کے طعنے کو زور آور سنگھ برداشت نہ کر سکا۔ وہ گلیان سے چلا آیا اور چینیی پہنچا۔ چینیی کے راجہ دیال چند کے لڑکے راجہ گوبند چند نے گلیان میں شادی کی ہوئی تھی۔
اس رشتہ کی وجہ سے زور آور سنگھ کئی بار چینیی آنا جانا تھا۔ لیکن راجہ دیال چند
نے زور آور سنگھ کو اس وجہ سے منہ نہ لگایا کہ گلیان کے رانا اس سے ناراض ہیں۔
چینیی سے زور آور سنگھ بے سرو سامانی، ماندگی اور ناچارگی کے عالم میں جموں کی
طرف بھاگا۔

گلاب سنگھ کی ملازمت میں

وہ ایسے وقت میں جموں پہنچا کہ جب وہ شہر کے باہر داخلی دروازہ دھونتھلی کی ڈھکی پر سے جا رہا تھا۔ اس نے ایک ایسے نوجوان کو دھوتی میں ملبوس
سر پہ رام نامہ باندھے ہاتھ میں پانی کی گڑوی اٹھائے ڈھکی چڑھتے دیکھا جو دریائے
توی سے اشنان کر کے آ رہا تھا۔ جب وہ نزدیک پہنچا تو زور آور سنگھ نے اپنے
ہاتھ خود بخود اسے پرنام کے لئے جوڑ دیئے۔ یہ نوجوان گلاب سنگھ تھا جو لاہور سے
ان دنوں جموں میں مہاراجہ رنجیت سنگھ سے چھٹی لے کر آیا ہوا تھا۔ اس نے اُسے

دیکھ کر پُوچھا۔ "تم کون ہو اور تمہارا کیا نام ہے؟" زورآور سنگھ نے جواب میں کہا "میرا نام زورآور سنگھ ہے۔" تو گلاب سنگھ ہنس دیا اور از راہِ مذاق کہنے لگا کہ ایک شخص جنگ بہادر نام کا تھا۔ لیکن جب میدانِ جنگ سے بھاگا تو لوگوں کے پُوچھنے پر اُس نے جواب دیا کہ مجھے میری ماں جنگ بہادر بھی کہتی تھی اور کھِسکو کے نام سے بھی پُکارتی تھی۔ کہیں ایسے ہی زورآور سنگھ تم بھی تو نہیں ہو؟" اِس پر زورآور سنگھ نے نہایت عاجزی سے کہا کہ "اِس بات کا جواب وقت ہی دے سکتا ہے۔"

گلاب سنگھ نے زورآور سنگھ کو ساتھ لے لیا اور حُسنِ اتفاق یہ کہ اُسی وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پروانہ گلاب سنگھ کے نام ریاسی پرگنہ پر قبضہ کرنے کا ملا۔ تو دُوسرے دن گلاب سنگھ ریاسی روانہ ہُوا۔ زورآور سنگھ بھی ساتھ تھا۔ اور ریاسی پر قبضہ کر کے قلعہ بھیم گڑھ کے محافظ دستہ میں سپاہی کے طور زورآور سنگھ کو بھرتی کر لیا گیا۔

زورآور سنگھ نے اپنے آقا گلاب سنگھ کی کس طور خوشنودی حاصل کی؟ اِس کے متعلق مختلف کہانیاں ہیں۔ زورآور سنگھ کو ریاسی کے قلعہ میں ایک معمولی سپاہی کی ڈیوٹی سپرد کی گئی۔ میاں گلاب سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حُکم سے ریاسی کا جاگیردار قرار پایا۔ اور ریاسی کے تمام لوگوں نے "تالاب کے کنارے گلاب سنگھ کے پاس جمع ہو کر اطاعت قبول کر لی اور گلاب سنگھ نے پہلی بار یہاں لوگوں سے نذریں حاصل کیں۔

گلاب سنگھ سے پہلے ریاسی کا جاگیردار میاں دیوان سنگھ جموال تھا۔ یہ جاگیر دیوان سنگھ کو جموں کے راجہ سے پُشت در پُشت حاصل تھی۔ اِس دیوان سنگھ پر شک تھا کہ اس نے جموں کے راجہ جیت سنگھ کی رانی بندرالی سے مل کر جموں کے مدارالمہام میاں موٹا کو قتل کرایا ہے۔ اِس جرم کی پاداش میں مہاراجہ رنجیت سنگھ

نے میاں دیوان سنگھ کو لاہور میں بُلا کر قید کر لیا تھا اور جاگیر کا بیٹہ میاں گلاب سنگھ کو جو کہ اُس وقت مہاراجہ لاہور کا منظورِ نظر تھا لکھ دیا۔

اِدھر میاں گلاب سنگھ ریاسی کے قلعہ پر قبضہ کر کے لوگوں سے نذریں حاصل کر رہا تھا۔ اُدھر ارناس (تحصیل ریاسی) میں میاں دیوان سنگھ کے لڑکے میاں بھوپ دیو نے وہاں کے لوگوں کو جمع کر کے بغاوت کر دی۔ گلاب سنگھ کو ریاسی میں اِس بغاوت کا علم ہوا تو ایک مختصر سے فوجی دستہ کو لے کر قلعہ سلال جہاں کہ بھوپ دیو قلعہ بند ہو چکا تھا، پر چڑھائی کر دی۔ بھوپ دیو مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور وہ بھاگ گیا۔ سلال کا قلعہ سر کر کے اور ریاسی کے انتظام اور قلعہ بھیم گڑھ کی مرمت کا کام اپنے معتبر دیوان اَمیر چند کو سپرد کر کے گلاب سنگھ واپس لاہور میں اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا۔

میاں بھوپ دیو قلعہ سلال سے فرار ہو کر سیدھا لاہور پہنچا اور دربار کے اہلکاروں سے مل کر اُس نے اپنے والد دیوان سنگھ کو قید سے آزاد کرا لیا۔ اور دونوں باپ بیٹا لاہور سے واپس ریاسی کے گرد و نواح میں آ گئے۔ جہاں اُنہوں نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور ریاسی پر چڑھائی کر کے قلعہ بھیم گڑھ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ میں گلاب سنگھ نے صرف ایک محافظ فوجی دستہ رکھا ہوا تھا۔ اِس فوجی دستہ نے باوجود بے سر و سامانی کے جی توڑ کر مقابلہ کیا۔ زورآور سنگھ جو اِس فوجی دستہ میں شامل تھا۔ نے اپنے ساتھیوں کی خوب ہمت بندھائی۔ باغیوں نے ہر چند قلعہ کو چھوڑانے کے لئے زور لگایا لیکن زورآور سنگھ کی جرأت، بہادری اور جانبازانہ رویہ نے دشمن کی تمام کوششیں ناکام بنا دیں — اور زورآور سنگھ اپنے ساتھیوں کو لے کر قلعہ پر جما رہا۔

میاں دیوان سنگھ اور اس کا لڑکا میاں بھوپ دیو تنگ آ کر قلعہ کا

محاصرہ چھوڑ گئے۔ لیکن دوسرے دن میاں جواہر سنگھ اکھا دہیہ کی کمان میں چند فوجی ریاسی کے قصبہ سے گزر رہے تھے تو دیوان سنگھ کے آدمیوں نے اُن پر حملہ کر دیا۔ آپس میں تلوار چلنے لگی۔ میاں دیوان سنگھ اور بھوپ دیو بھی اپنے آدمیوں کی امداد کے لئے آ گئے۔ جواہر سنگھ اور اُس کے ہمراہی تتر بتر ہونے کو تھے کہ زورآور سنگھ جسے اِس مقابلہ کی خبر مل گئی تھی اپنے دس بیس ساتھیوں کو لے کر قلعہ سے باہر نکل آیا اور آتے ہی میاں دیوان سنگھ اور اُس کے بیٹے بھوپ دیو پر ٹوٹ پڑا۔ اِس قدر تلوار چلی کہ بہت سے باغی مارے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ اِس طرح سے ریاسی میں امن و امان قائم ہوا۔ دیوان سنگھ کی اِس بغاوت کا علم جب لاہور میں گلاب سنگھ کو ہوا۔ تو وہ ریاسی پہنچا۔ ہنگامہ ختم ہو چکا تھا۔ دیوان سنگھ اور اُس کے بیٹے کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ البتہ لوگوں میں زورآور سنگھ کی بہادری اور جانبازی کے چرچے تھے۔ گلاب سنگھ نے زورآور سنگھ کے اس کارنامے پر خوش ہو کر انعام و اکرام دیا۔ اور ریاسی میں اس کی مستقل رہائش کے لئے مکانات بنوانے کے احکام دیئے۔

سپلائز انسپکٹر

مشہور مورّخ سمتھ کا کہنا ہے کہ زورآور سنگھ ریاسی کے قلعے میں ایک سپاہی کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ ریاسی کا قلعہ دار ریاسی کے حالات سے آگاہ کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً زورآور سنگھ کو جموں بھیجا کرتا تھا۔ ایک موقعہ پر زورآور سنگھ نے راجہ گلاب سنگھ کو بتایا کہ ریاسی کے قلعے میں جس ڈھنگ سے راشن دیا جاتا ہے اُس سے راجہ گلاب سنگھ کو کافی نقصان ہو رہا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہر ایک سپاہی کو ایک سیر پختہ یومیہ آٹا ملتا ہے جو مقدار ضرورت سے زیادہ ہونے

کی وجہ سے اُس کا ایک تہائی حصّہ سپاہی لوگ فروخت کر دیتے ہیں۔ زور آور سنگھ نے راجہ صاحب کو یہ تجویز پیش کی کہ اگر آپ راشن کی تقسیم کا کام میرے سپُرد کر دیں تو مَیں آپ کو سالانہ ایک لاکھ روپے کی بچت دے سکتا ہوں۔ راجہ گلاب سنگھ اِس نوجوان سپاہی کی ذہانت اور وفاداری سے بہت متاثر ہُوا۔ اُنہوں نے زور آور سنگھ کو جموں کے شمال کے تمام قلعوں کا سپلائز انسپکٹر مقرر کر دیا۔ اِس طرح زور آور سنگھ مہاراجہ گلاب سنگھ کے چہیتے افسروں کی صف میں شامل ہو گیا۔

گورنر کشتواڑ

۱۸۲۳ء میں راجہ گلاب سنگھ نے زور آور سنگھ کو کشتواڑ کا گورنر مقرر کیا۔ کشتواڑ کی ریاست اِن ہی دنوں جموں کے ساتھ شامل کی گئی تھی۔ جلد ہی بعد زور آور سنگھ کے وفادارانہ کاموں کی وجہ سے اُسے وزیر کا خطاب عطا ہُوا۔ ۱۸۲۳ء سے ۱۸۳۴ء تک وزیر زور آور سنگھ کشتواڑ کے نظم و نسق کو بہتر بنانے میں مصروف رہا۔ اِسی دوران میں اُس نے آس پاس کی چھوٹی چھوٹی پہاڑی ریاستوں کو کشتواڑ کے ساتھ شامل کر لیا۔

وزیر زور آور سنگھ کے بارے میں مزید حالات بتلانے سے پہلے کشتواڑ کے بارے میں واقفیت پہنچانا ضروری ہے۔ کیونکہ لداخ، گلگت اور تبت کی مہموں کا آغاز یہاں سے ہی شروع ہوتا ہے۔

کشتواڑ ایک سطح مرتفع ہے۔ آسمان کو چھُونے والے پہاڑوں کے درمیان ایک مسطح میدان ہے۔ اِس میدان کے شمال مغربی گوشہ پر شمال کی طرف سے دریائے مڑوا بہتا ہے اور کچھ دُور اُوپر کی طرف دریائے چھاترو اِس میں شامل ہوتا ہے۔ یہ دونوں مل کر دریائے چناب میں گرتے ہیں۔ اِن دونوں دریاؤں کے سنگم پر سطح دریا کی بلندی تقریباً ۳۶۰۰ فٹ ہے۔ سطح مرتفع کشتواڑ کی بلندی تقریباً ۵۴۰۰ فٹ

ہے ۔ یہ میدان دریا کی سطح سے دو ہزار فٹ کے قریب اُونچا ہے ۔ چناب کی تنگ اور سنگلاخ وادی میں یہ میدان ایک عجیب و غریب منظر پیش کرتا ہے ۔ راج ترنگنی میں کشتواڑ کو کشٹ واڑی کے نام سے ظاہر کیا گیا ہے ۔ کشتواڑ کے قصبہ میں دو بڑی زیارتیں ہیں ۔ ایک تو قصبہ میں اور دُوسری چوگان کے جنوبی سرے پہ ۔ پہلی زیارت سیّد فرید الدین اور دُوسری اُن کے بیٹے اسرار الدین سے منسوب ہے ۔ سیّد فرید الدین شاہجہاں کے وقت میں بغداد سے کشتواڑ میں وارد ہوئے اور اُن کے زیرِ اثر کشتواڑ کے راجہ نے اسلام قبول کیا ۔

راج ترنگنی میں اس امر کا ذکر آتا ہے کہ راجہ کلس کے عہدِ حکومت کے دوران ۸۷-۱۰۸۶ء کی سردیوں میں مختلف پہاڑی ریاستوں کے راجے کشمیر میں وارد ہوئے ۔ داٹما کا راجہ اوتم بھی شامل تھا ۔

قدیم الایام میں کشتواڑ کا نام سرتھ گڑھ تھا ۔ اُس کے اندر دیودار کے درختوں کا گھنا جنگل تھا ۔ بعد ازاں ہر دو بڑے دریاؤں کے اتصال اور پہاڑوں کے ٹوٹنے پھوٹنے نے ایک عظیم انقلاب پیدا کیا ۔ خوفناک جنگل کی جگہ ایک وسیع و عریض جھیل نے لی جس کا نام گوردھن سر ہو گیا ۔ ایک زمانہ میں اس مُلک میں کثرت سے زلزلے آئے ۔ نتیجے کے طور پہ کشتواڑ کے نیچے ٹھاٹھری کے مقام پہ وہ پہاڑ جس نے جھیل کو روک رکھا تھا ۔ پھٹ گیا ۔ گوردھن سر کا پانی دریائے چناب کی صورت میں بہنے لگا ۔

کئی مورخوں کا خیال ہے کہ کشتواڑ کا پہلا نام کشٹا واڑہ تھا ۔ کشٹا ایک قسم کی جنگلی خوبانی کا نام ہے ۔ لیکن کئی دُوسرے مورخوں کا خیال ہے کہ کشتواڑ کا اصلی نام کشٹ واڑ تھا ۔ کشٹ کے معنی ہیں تکلیف، اور واڑ نام ہے جگہ کا ۔ گویا تکلیف دہ جگہ ۔ اِس سلسلہ میں مندرجہ ذیل لوک گیت کی آڑ لی جاتی ہے ۔

کشٹ وار کشٹ کا بندہ
دِن کو بھوکا رات کو ننگا
جو کوئی آئے جب وُہ جائے
وُہ ہے گوسائیں کا جھنڈا

جس وقت گلاب سنگھ جمّوں کا راجہ بنا۔ کشتواڑ میں راجہ محمد تیغ سنگھ کی حکومت تھی۔ اِس راجہ نے خراب عادات اختیار کر لی تھیں۔ وہ شراب نوشی اور دُوسری عادتوں میں مُبتلا ہو گیا تھا۔ علاقہ کے نظم و نسق میں فتور آچکا تھا۔ راجہ محمد تیغ سنگھ نے غلط فہمی کی بنا پر اپنے وزیر لکھپت کو ریاست چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ راجہ گلاب سنگھ نے جب دیکھا کہ کشتواڑ میں ابتر حالات ہیں۔ رعایا راجہ کے ہاتھوں نالاں ہے۔ اور وُہ ایک تبدیلی کے لئے کوشاں ہے۔ اُنہوں نے اِسے جمّوں کے ساتھ ملانے کا تہیہ کیا۔ چنانچہ دیوان چند راجہ جیتھی اپنے ساتھ لے کر راجہ گلاب سنگھ نے کھیلینی کے پاس دریائے چناب کو کھردی کے ذریعے عبور کیا اور ڈوڈہ میں آوارد ہوا۔ وزیر لکھپت کے چلے جانے سے کشتواڑ کا اندرونی نظم و نسق اِس حد تک بگڑ چکا تھا کہ راجہ محمد تیغ سنگھ جمّوں کی فوج کی مزاحمت کا کوئی انتظام نہ کر سکا۔ راجہ گلاب سنگھ بلا مقابلہ ڈوڈہ پر قابض ہو گئے۔ اِس طرح کشتواڑ کو جمّوں کے ساتھ ملایا گیا — وزیر زور آور سنگھ نے کشتواڑ کے بگڑے ہوئے نظم و نسق کو پھر سے ترتیب دی۔ اور کشتواڑ کے لوگوں نے مدت کے بعد ہی راحت آرام کا سانس لیا۔

لداخ، بلتستان اور مغربی تبت

لداخ کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ قدرتی اور جغرافیائی طور پر یہ ہندوستان سے دُور اُوپر کوہ ہمالیہ کی سطح کا حصہ ہے تو بجا رہے گا

عرصہ دراز تک اس پر ایک تبتی الاصل خاندان حکمران رہا۔ لداخ کی آبادی منگول نسل کی ہے لیکن مذہب کے لحاظ سے لوگوں نے لامی شکل کا بدھ مت صدیوں سے اختیار کر رکھا ہے۔

شمال میں لداخ کا علاقہ درّہ قراقرم تک کوہستان قراقرم سے گھرا ہوا ہے۔ مغرب میں اس کی حد گلگت اور استور کو چھو رہی ہے۔ لداخ دنیا بھر کے نہایت بلند سطح کے علاقوں میں سے ہے اور اس کی بلندی سطح سمندر سے بارہ ہزار فٹ سے بھی اوپر ہے۔ برف سے اٹے بڑے بڑے پہاڑی سلسلوں نے لداخ کو گھیر رکھا ہے۔ اور آسمان کو چھونے والے پہاڑ کی چوٹیاں جن کی رفعت پچیس ہزار سے اٹھائیس ہزار کے درمیان ہے اپنی شانِ عظمت دکھا رہی ہیں۔

اصل لداخ کا نہایت ضروری حصہ لداخ کا رقبہ ہے جس میں سے دریائے سندھ گزرتا ہے۔ لداخ اور بلتستان کی آب و ہوا خشک اور صحت بخش ہے۔ سال میں نو دس مہینے سردی شدت کی پڑتی ہے۔ بارش کا نوڑا! بلکہ قلت اس قدر کہ اگر کھدّر کی چادر بارش میں بچھا دی جائے تو مشکل سے وہ گیلی ہو پائے گی۔ سبزی بھی نہیں ہوتی۔ عمارتی اور جلانے کی لکڑی کا ملنا نہایت مشکل ہے۔ اور آبادی کا گزارہ تھوڑی بہت کاشتکاری پر ہے۔ لداخ میں مکانوں کی چھتیں ایسی ہی ہیں جیسی میدانی علاقوں میں۔ عام طور پر اونچے مقامات پر چھتیں ڈھلوان دار ہوتی ہیں لیکن لداخ میں ایسا نہیں۔ وجہ اس کی یہ کہ یہاں سال بھر میں کبھی بھی اتنی بارش نہیں ہوتی کہ پرنالے چلیں۔ کچی دیوار اگر کھڑی کر دی جائے تو کئی سال اسے مرمت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کئی سالوں کے بعد اگر کوئی شخص اسے دیکھنے

کسے لیے جائے تو وہ اُسی حالت میں پائے گا جس حالت میں وہ اُسے پہلی بار دیکھ گیا تھا۔

یہاں کے لوگوں کو ناچنے گانے کا کافی شوق ہے، سٹیج کا بھی کافی رواج ہے۔ کیتی دھار مک ڈرامے سٹیجوں پر کھیلے جاتے ہیں اور لوگ اِنہیں دیکھنے میں کافی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ عام طور پر لداخی اپنا سارا گھر اپنی پیٹھ پر اُٹھا کر چلتا ہے۔ گھر کی تمام قیمتی اشیاء وہ ہر وقت ساتھ لیے پھرتا ہے۔

مسٹر کننگھم نے اپنی کتاب موسومہ لداخ مطبوعہ ۱۸۵۴ء میں لکھا ہے کہ لداخ آبادی کے لحاظ سے ویرانی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اُوپر سے نگاہ ڈالی جائے تو صرف دمیدانوں اور بنجر پہاڑیوں کا سلسلہ دکھائی دے گا جو برف سے ڈھکا ہوا ہے تیگیسید کا نک اور تمور یری کی جھیلیں چٹانوں اور ریت کے کسی وسیع صحرا میں اُجلے سبزہ زاروں کی مانند نظر آتی ہیں۔ انسانی آبادی کا کہیں بھی نام و نشان نظر نہیں آتا۔ اور مزروعہ زمین کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی کسی بچھڑی ہوئی دُنیا کے لق و دق جنگل پر چھوٹی چھوٹی جھیلوں کا منظر پیش کرتے ہیں لیکن غور سے دیکھنے پر کئی ایک زرخیز خطے بھی نظر آئیں گے جو بارونق فصلوں اور طرح طرح کی عبادت گاہوں سے ڈھکے ہوتے ہیں۔ جن میں سے انسانی صداؤں کا گیت دھرم کی دُعا اور حمد کی صُورت میں فضائی بلندی میں چڑھتا رہتا ہے۔ گو لداخ اور بلتستان جغرافیائی لحاظ سے ایک ہی سطح رکھتے ہیں اور ان میں بسنے والے لوگ بھی نسلی طور پر ایک ہی ہیں لیکن مذہب اُن کا الگ الگ ہے۔ لداخ کے لوگ بُدھ مت کے پیرو ہیں مگر بلتستان کے لوگ زیادہ تر مسلمان ہیں۔

تسخیر لداخ سے پہلے کے حالات

سیوانگ نانگیال
(TSEWANG NAMGYAL)

کی وفات کے بعد ۱۷۱۰ء میں اس کا بڑا لڑکا تسےتن (TSETAN)
لداخ کا راجہ بنایا گیا۔ اس کا چھوٹا بھائی سیپال (TSEPAL) ہیمس مٹھ
میں چلا گیا۔ راجہ بننے کے وقت تسےتن کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ دس سال کی حکومت
کرنے کے بعد بعہ میں چیچک کی بیماری پھوٹ پڑنے سے تسےتن ۲۴ سال کی عمر
میں فوت ہو گیا۔ ۱۷۹۰ء میں سیپال کو شاہی اختیارات حاصل ہوئے اور وُہ
اپنے بھائی کی جگہ راجہ بنا۔ اُسے ورثہ میں بھائی کی عورت بھی حاصل ہوئی۔
سیپال ایک لامہ تھا لیکن پھر بھی اُسے ملکہ کا دُوسرا خاوند تصور کیا جاتا تھا۔
سیپال اپنے بھائی کے مقابلہ میں بہت شدت سے بے وقوف اور جاہل تھا۔
وہ کبھی جنگ میں نہیں گیا تھا۔ اگرچہ ایسے کئی موقعے آئے۔ پُرانی حکومت کے
آدمیوں پر اُسے بالکل اعتبار نہ تھا۔ وُہ حکومتی اصلاح و مشورہ صرف اُن چند
آدمیوں سے کرتا تھا جنہوں نے اپنی چالبازیوں سے اس کے گرد ایک آہنی
گھیرا ڈال رکھا تھا۔ لوگوں کے دُکھوں سے راجہ بے نیاز تھا۔ اِس راجہ کے
دورِ حکومت میں مورکرافٹ ۱۸۲۰ء میں لداخ آیا۔ اِس واقعہ کو یوں بیان کیا
گیا ہے کہ یورپ سے بڑا صاحب اور چھوٹا صاحب بہت سی دولت لے کر
کلّو اور لاہول کے راستے بعہ آئے۔ اُنہوں نے لداخ کے لوگوں کو قسم قسم کے
تحفے دیئے۔ انہوں نے راجہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی یہ خواہش کئی مہینوں
تک کامیاب نہ ہو سکی۔ بہت مدت کے بعد اُنہیں راجہ سے ملنے کا موقع ملا۔
راجہ کی خدمت میں اُنہوں نے بہت قسم کے تحفے تحائف پیش کیے۔ انہوں
نے خواہش ظاہر کی کہ وہ یہاں ایک قلعہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس علاقہ کے
فتح کیے جانے کے تمام خدشات دُور ہو سکیں۔ لیکن راجہ نے اس بات کے
پیشِ نظر کہ کہیں اس کے نتائج خراب نہ نکلیں قلعہ تعمیر کرنے کی اجازت نہ دی۔

مورکرافٹ سردیاں اور گرمیاں گزارنے کے بعد ۱۸۲۲ء میں واپس یورپ چلا گیا۔

کئی مورخوں کا کہنا ہے کہ لداخ کے راجہ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ لداخ کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر سایہ کر دیا جائے لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس الجھن میں پڑنے سے معذوری کا اظہار کیا۔ کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی بھی ابھی اپنے آپ کو اس قدر طاقتور نہیں پاتی تھی کہ لاہور دربار سے براہ راست ٹکر لے کر لداخ میں اپنا دائرہ بڑھانے کی جسارت کر سکے۔

لداخ کے بادشاہ کے متعلق کئی ایک کہانیاں بیان کی جاتی ہیں کہ وہ ایک وہمی آدمی تھا۔ اور اُس کی تلون مزاجی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ رات کو خود بھی نہ سوتا اور نہ ہی اُس کے ملازموں کو سونے کی اجازت تھی۔ وہ اپنے پرائیویٹ ملازمین سے روزانہ چھلکے لیا کرتا تھا۔ بارہ گھڑے پانی سے وہ ہاتھ منہ دھوتا تھا۔ اُسے پرانے ارکین سلطنت پر اعتماد نہ تھا۔ لداخی مورخین نے اُس کے دورِ حکومت کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"حکومت کی حالت معرضِ نقصان میں تھی۔ لیکن بادشاہ کو اس مصیبت کا مطلق احساس نہ تھا۔ اور نہ ہی اُس نے کبھی یہ دریافت کرنا بھی مناسب سمجھا کہ اُس کی رعایا کی حالت اچھی ہے یا خراب۔ اُسے صرف اُن امور میں دلچسپی تھی جو اُس کے حبیب سے مختص تھے۔ اُن دنوں شاہی خزانہ اس قدر بڑھ چکا تھا کہ اس کا نکاس کسی نہ کسی طرح سے ضروری تھا۔ اور بادشاہ نے روپیہ کو عمارتی اغراض میں صرف کرنے کا فیصلہ کیا۔"

اس اثنا میں بادشاہ کی بے پروائی، سستی اور عیاشی کی وجہ سے کلو اور لاہول کے لوگوں نے لداخ کے علاقہ میں لوٹ کھسوٹ اور حملہ آوری شروع کر دی۔ کلو کی فوج نے سپتی فتح کر لیا۔ بہت سے گاؤں تباہ و برباد کر دیئے۔

اور بہت سا مال و جائداد لوٹ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ لداخیوں نے بیپال پر اس لُوٹ کھسوٹ کا بدلہ لینے کے لئے زور دیا مگر بادشاہ نے اُنہیں یہ کہہ کر کہ تم لوگوں میں مقابلہ کی خواہش کیوں پیدا نہیں ہوئی۔ اُلٹا لوگوں کو سزا دی۔

اس کے بعد کُلّو اور لاہول کے لوگوں نے زنسکار کے خلاف لڑائی شروع کر دی۔ اُنہوں نے کئی گاؤں تباہ کر دیئے اور درمیانی اضلاع کے قلعے مسمار کر دیئے۔ حملہ آور اپنے ساتھ خچریں اور پہاڑی گائیں اور بہت سا مال ساتھ لے گئے۔ لیکن اس بار جنرل آف پالدار کی کمان میں نچلی لداخی فوج نے اُن کا تعاقب کیا۔ لاہول سے لے کر کُلّو کے درمیانی اضلاع تک لڑائی ہوتی رہی۔ بہت سے گاؤں تباہ و برباد ہو گئے۔ اِس بار بھی بادشاہ نے کہا کہ زنسکار کے لوگوں نے ہمت سے کام نہیں لیا۔ اور دُشمن کا مقابلہ نہیں کیا۔ اس لئے اُنہیں سزا دی۔ اِس کے ایک سال بعد منڈی اور وارن فوج نے کشتواڑ کے راستہ سے آکر اپر زنسکار سے لیکر ڈمگرنگ تک تباہی مچا دی۔ گاؤں کے گاؤں جلا دیئے۔ اُن کے ہاتھ جتنی بھی دولت اور مال مویشی لگے وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ اُن دنوں کی لداخی حکومت کی لاپرواہی کی وجہ سے پڑوسی ملکوں کو لداخ فتح کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور ہمت بڑھی۔ بادشاہ کو صرف اپنی ذات کا خیال تھا۔ مُلک کے مفاد کا اُسے ذرا بھی واسطہ نہ تھا۔

اُنیسویں صدی کے اِس عرصہ میں جنوبی ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاوہ شمالی ہندوستان میں سب سے بڑی سکھ حکومت تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اپنی فتوحات کے پرچم بلند کر رہا تھا۔ ۱۸۱۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جموں کے راجہ گلاب سنگھ کی مدد سے کشمیر کو فتح کیا تھا۔ اور ڈوگرہ دیس کی تمام پہاڑی ریاستوں میں اُس کی

دھاک بندھی ہوئی تھی۔

۱۸۳۶ء میں راجہ گلاب سنگھ نے انگریزوں کے ساتھ اچھے تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ لداخ میں ایک کمزور اور نا اہل حکومت برسر اقتدار تھی۔ اس نے لداخ کو جموں کے ساتھ ملا کر ایک بڑی ریاست بنانے کا ارادہ کیا۔ یہ ایک سنہری موقع تھا اور گلاب سنگھ ایسا دور اندیش اور مدبر حکمران اسے ہاتھ سے کیوں جانے دیتا۔ لیکن لداخ کو فتح کرنے سے پہلے اس نے مناسب سمجھا کہ اس بارے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی رائے حاصل کرے۔ چنانچہ اس نے خفیہ طور پر یہ تحقیقات کرائی کہ لداخ کو فتح کرنے کی مہم شروع کرتے ہیں کمپنی کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔ اس وقت لداخ کے بارے میں انگریزوں کو بہت کم معلومات حاصل تھیں۔ مورکرافٹ سے پہلے کوئی انگریز لداخ نہیں گیا تھا۔ چنانچہ کمپنی کی مداخلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اب گلاب سنگھ نے اپنی توجہ لداخ کی طرف مبذول کر دی۔ گو لداخ کے سرحدی حصوں میں کئی کامیاب حملے ہو چکے تھے۔ لیکن سلطنت پر باقاعدہ طور پر فتح حاصل کرنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ اس امر سے راجہ گلاب سنگھ بخوبی واقف تھا۔

زورآور سنگھ کا لداخ پر حملہ

ڈوگرہ فوج کشمیر کے راستے چڑھائی نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ کشمیر اس وقت سکھوں کی عملداری میں تھا۔ کشتواڑ کا ہی ایک راستہ تھا جس کے ذریعے لداخ کی طرف رخ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن راستہ بہت دشوار گذار تھا۔ کئی جگہوں میں تو راستہ صرف نام کا تھا۔ ایک باقاعدہ فوج کو اس راستے سے لے جانا بذات خود ایک معرکہ سے کم نہ تھا۔ لداخ

پر فوج کشی کا کام جرنیل زور آور سنگھ گورنر کشتواڑ کے سپرد کیا گیا۔ جرنیل زور آور سنگھ
کے سوا اس مشکل کام کو ہاتھ میں لینا کسی اور کے بس کا روگ نہ تھا۔ اُسے
مشکلات کا پورا احساس تھا۔ لیکن اپنی طاقت پر پورا اعتماد تھا۔ چنانچہ ۱۸۳۴ء
کے شروع میں وزیر زور آور سنگھ دس ہزار فوج لے کر کشتواڑ سے آگے بڑھا۔
اُس نے مڑوا۔ واڑدن اور زنسکار کی دشوار گذار پہاڑیوں کو عبور کیا اور پورگ
پہنچا۔ پورگ لداخ کا ایک سرحدی ضلع تھا۔ ۱۶ راگست ۱۸۳۴ء کو زور آور سنگھ
کو پہلی بار ۵ ہزار لداخی فوج کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ فوج جلدی ہی لڑائی کے لئے تیار
کی گئی تھی۔ اس فوج کی کمان سٹوگ کے ایک نوعمر منتیر کے ہاتھ میں تھی۔ یہ فوج اپنی
بھاری بھر کم توڑے دار بندوقوں سے ڈوگرہ فوج کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکی۔ اس
لڑائی میں صرف چھ یا سات ڈوگرے مارے گئے۔ جھنتہ لبستی رام کے بیان کے مطابق
تیس لداخی ہلاک اور کئی زخمی ہوئے۔ رسانکو کی لڑائی کے بعد لداخی فوج رات کے
وقت پشکیر گول کی طرف روسی پاس کے راستے روانہ ہوگئی۔ یہاں ڈوگرے آٹھ دن
ٹھہرے۔ کرتسی ضلع کا مشہور قلعہ ڈوگروں کے قبضہ میں رہا۔ انہوں نے سورو
کے مقام پر ایک اور قلعہ تعمیر کر کے اور شنگ سکار کا پڑوسی قلعہ اپنے قبضہ میں
لے کر اپنی پوزیشن مستحکم کر لی۔ سورو کے لوگوں نے اطاعت قبول کر لی اور جرنیل
زور آور سنگھ نے فی گھر چار روپیہ مالیہ لگا کر علاقہ کا انتظام اپنے آدمیوں کے سپرد کر دیا۔
سورو قلعہ میں ۵۰ آدمی چھوڑ کر ڈوگرہ فوج سورو دریا کی طرف بڑھی۔ سب
سے پہلے لنگ کارتسی کو فتح کیا۔ اُس کے بعد آہستہ آہستہ لڑتے بھڑتے ڈوگرہ فوج
بیشن کیموم کے میدانوں میں پہنچی۔ اس وقت لداخی کمک کی انتظار میں تھے۔ بوڑھے
راجہ نے اپنے منتیر دل نورو ب سٹنزن اور بنگاپا کو لڑائی کے لئے فوج تیار کرنے
اُن اضلاع میں بھیجا تھا جنہوں نے ابھی تک لڑائی کے لئے اپنے بہادر نہیں بھیجے تھے
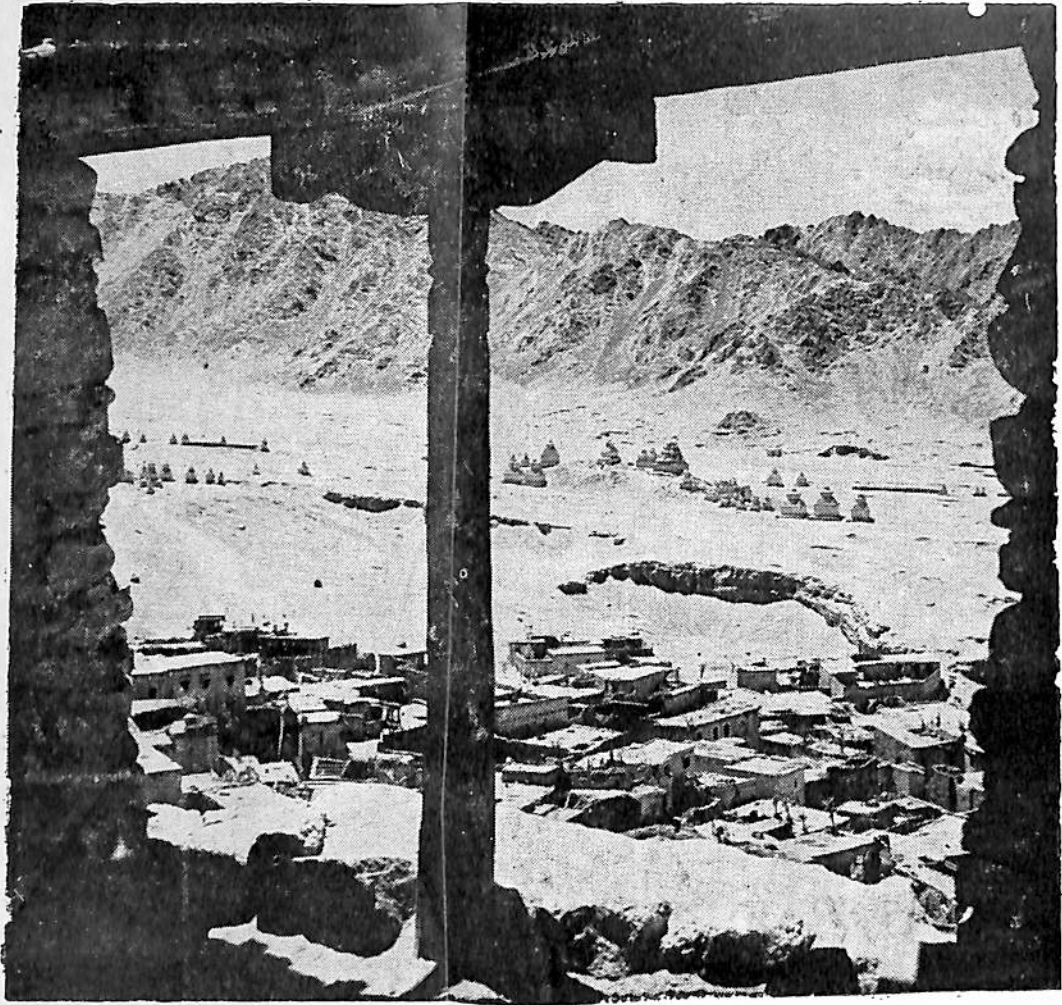
لداخ کے ھیڈ کوارٹرز لیہہ کا ایک منظر جو پہاڑی پر واقعہ پرانے محلات سے دکھائی دیتا ھے -
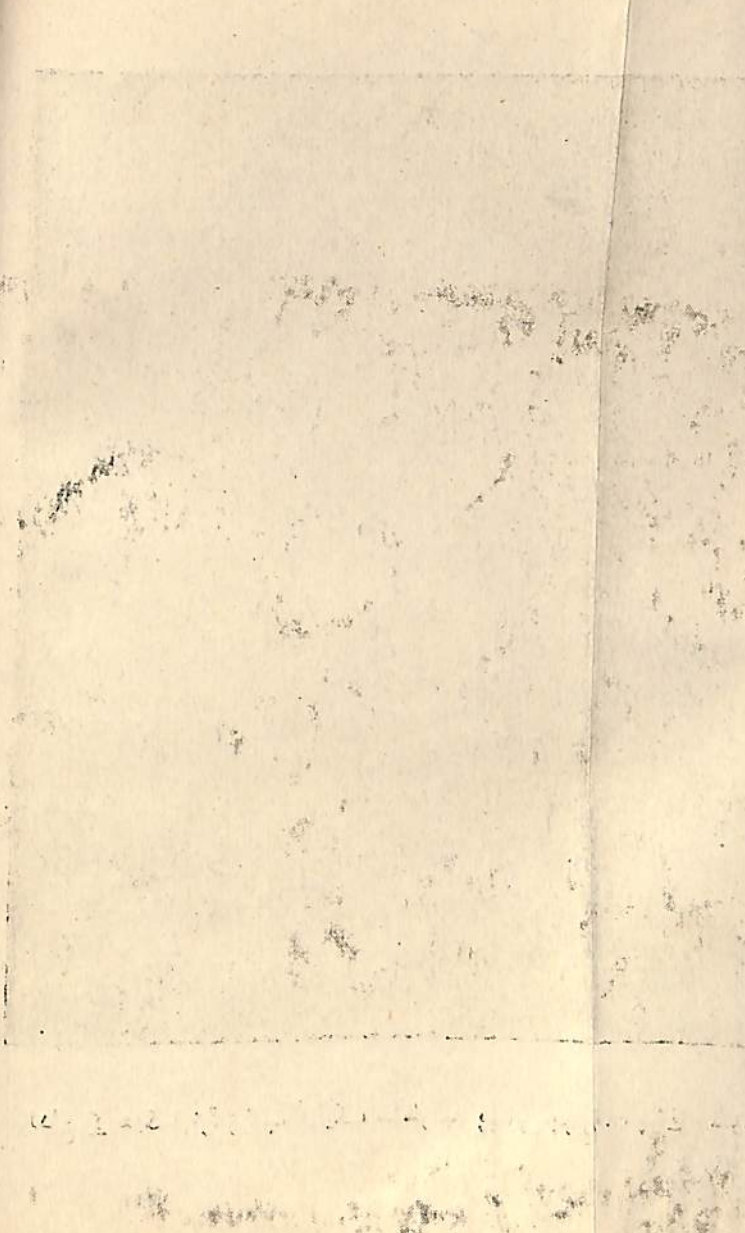
اور اب ۴ ہزار فوج ٹینگن کیوم کی طرف آگے بڑھ رہی تھی۔ اس فوج کے پہنچنے سے پہلے ہی سٹوگ کے نوعمر منیبہ نے ڈوگروں پر حملہ کر دیا۔ آج دن کا یا نمہ لداخیوں کے ہاتھ رہا تھا۔ اچانک ڈوگرہ فوج کی گولی لداخی فوج کے کپتان کو لگی اور وہ وہیں مر گیا اُس کا گرنا تھا کہ لداخی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ بھاگ نکلی۔ فوج کی زیادہ تعداد ٹینگن کیوم پل عبور کر کے موالھے اور شیر گول کی طرف بھاگی۔ پل پار کرنے کے بعد اُنھوں نے پل کو توڑ دیا۔ لیکن ڈوگرے دوسرے طریقے سے بھی دریا کو عبور کرنا جانتے تھے۔ انھوں نے جھٹ کھالوں پر دریا پار کر لیا اور لداخی فوج کا تعاقب کیا۔ بہت سے لداخی مارے گئے اور کئی قیدی بنا لئے گئے۔ اب ڈوگروں نے اپنی توجہ ٹینگن کیوم قلعے کی طرف کی۔ اس قلعے کو انھوں نے خالی پایا۔ لداخی فوج کا سردار سورت کے قلعے کی طرف بھاگ گیا تھا۔ جو کہ کرگل کے جنوب میں واقع ہے۔ سومنت میں دس دن کی گولہ باری کے بعد یہ قلعہ بھی ڈوگرہ فوج کے ہاتھ لگا۔ اس طرح ڈوگرہ فوج نے تھوڑے ہی عرصہ میں لداخ کے اہم حصّوں پر قبضہ کر لیا۔

جرنیل زورآور سنگھ کے ماتحت لداخ کی مہم میں چار پانچ ہزار ڈوگرہ فوج تھی جس میں کئی ایک سرکردہ افسران تھے جن میں جھنڈا کپتنی رام کشتواڑیہ مرزا رسول بیگ اودیان پورابیہ (ڈوڈہ) میاں رائے سنگھ رانا جالم سنگھ (ارنوڑہ) سنگھ ملکوٹیہ۔ میاں نوطا۔ اُوتم سنگھ بڈھیار (کشتواڑیہ) وزیر خواجہ بھونجا (کشتواڑیہ) امام ملک (مڑوا) سید مدین شاہ اور سردار محمد خان قابل ذکر ہیں۔

راجہ ٹمبس کا خفیہ خط

لداخ پر حملہ کی وجہ ایک یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ ٹمبس کے راجہ گیا پاچو چھند ورنمگیل کو راجگان سوت و لیشکلم علاقہ ٹمبس سے باہر نکالنا چاہتے تھے۔ اُس نے ان دونوں راجوں کے خلاف لداخ کے راجہ کے پاس شکایت کی۔ لیکن راجہ لداخ کی راجہ تشکیم

کے ساتھ رشتہ داری تھی۔ اس لئے نذسایت یہ غور نہ ہوا تو اُس نے مجبور ہو کر حاکم گنگنواڑ ذریعہ زور آور سنگھ سے امداد کے لئے درخواست کی۔ اِس درخواست سے وزیر زور آور سنگھ کو لداخیوں کے آپس میں اختلاف اور دشمنی کا پتہ چل گیا جسے اُس نے مہم کو سر کرنے کے لئے نیک فال جانا اور راجہ تمبس کو مناسب جواب دے کر اطمینان بھی دلایا۔

تاریخ حشمت اللہ میں لکھا ہے کہ جب کرنسی کا قلعہ ڈوگروں کے ہاتھ آگیا تو اِس علاقہ میں بھی زور آور سنگھ نے سرسری بندوبست الراضی علاقہ سودرو کی مانند کر کے لوگوں سے اطاعت قبول کرا کے آگے بڑھا۔

لداخی جرنیل کی گرفتاری

لداخ کے راجہ تنڈوپ نمگیل سیپال نے دیہات سے فوج جمع کر کے موروب ستزن کی سرکردگی میں امداد کے لئے بھیجی جس نے لنگر سے نیچے کی آبادی موسومہ آستانہ میں ڈوگروں کا حملہ روکنے کے لئے مورچہ بندی کو مضبوط کرنا شروع کیا۔ وزیر زور آور سنگھ کو اس مورچہ کی خبر ملی تو وہ پوری تیاری کے ساتھ لنگر سے روانہ ہوا۔ لداخیوں نے آستانہ اور بیا مانو مبو کے درمیان تنگ جگہ میں ایک مضبوط مورچہ بنا لیا تھا جس کے اُوپر کی طرف عمودی سنگلاخ تھا۔ اور نیچے دریا۔ جب ڈوگرہ فوج بیا مانو مبو میں پہنچی تو آگے راستہ بند تھا۔ لداخیوں نے مورچہ کے اندر سے سخت مقابلہ کیا اور ڈوگرہ فوج کو آگے بڑھنے نہ دیا۔ دو روز تک جنگ جاری رہی۔ جب ڈوگرہ فوج کو کوئی صورت اس مورچہ کے فتح ہونے کی بن نہ پڑی۔ تو ایک ڈوگرہ ندھان سنگھ اپنی جان پر کھیل کر ایک سپاہی کے ساتھ ایک چھوٹی نہر کے راستہ لداخی مورچہ کے اندر داخل ہو گیا۔ اتفاق سے لداخی فوج کا سپہ سالار کالون ددرجے نمگیل جو سفید گھوڑے پر سوار تھا اُسے نظر آیا۔ تو

ندھان سنگھ نے سب سے پہلے کالون مذکور کا کام تمام کر دیا۔ اس پر لداخی فوج میں مورچہ کے اندر بھگدڑ مچ گئی۔ باہر سے وزیر زور آور سنگھ نے اپنی فوج کو مورچہ پر بھرپور حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اور لداخیوں اور ڈوگروں میں دست بدست لڑائی شروع ہوگئی۔ دست بدست لڑائی میں لداخی کب ڈوگروں کی تاب لا سکتے تھے۔ اس لئے بہت سی لداخی فوج وہاں ہی ڈھیر ہوگئی اور ڈوگروں نے مورپ سٹنزن لداخی جرنیل کو ایک ہزار لداخیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا۔ اور ڈیڑھ ہزار کے قریب بھاگ گئے۔ یہ لڑائی لداخیوں اور ڈوگروں کی فتح کے متعلق ایک فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اس کے بعد لداخیوں نے ہمت ہار دی اور ڈوگروں کے مقابلہ میں پیچھے کی طرف ہٹتی گئی اور ڈوگرے آگے بڑھتے گئے۔

پینکھاپا کا گھوڑا

ان بھاگنے والوں میں اس قدر بھی عقل نہ رہی کہ پل اندو سے گزر کر اُسے توڑ دیتے۔ اُس زمانہ میں دریائے سورو سے گزرنے کے لئے خاص کرگل میں کوئی پل نہ تھا۔ کشمیر اور کرتسی ہر دو طرف کی آمدورفت لداخ کے پل اندو کے ذریعہ ہوتی تھی یہ پل موضع بزد کی بالائی آبادی کے قریب تھا۔ گو کہ یہ تاریخی پل بوجہ سیلابوں کے منہدم ہو چکا ہے۔ لیکن وہ پل اب تک بھی موجود ہے جو کہ بحکم جرنیل زور آور سنگھ بذریعہ ندھان سنگھ کشمیر کو آمدورفت کے لئے تیار کرایا تھا۔ لداخیوں کی پے در پے شکست کا حال لداخ کے گیالپو کو معلوم ہو رہا تھا

اُس نے تیسری بار کالون پینکھاپا کے ماتحت دو ہزار کے قریب فوج بھیجی۔ کہ ڈوگرہ فوج جہاں ہے وہاں سے ہی مار بھگا دیا جائے۔ پینکھاپا کالون اپنی فوج کو لے کر لیشکم میں ڈیرہ ڈالے تھا۔ اُسے خبر ملی کہ جرنیل زور آور سنگھ اپنی فوج کے ساتھ پل اندو پر پہنچ گیا تو وہ اس قدر بدحواس ہوا کہ اپنے گھوڑے کا دستہ کھو لئے کا

بھی خیال نہ رہا اور بندھے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر اُسے بھگا لے گیا جس وجہ سے "پنکھا یا سما گھوڑا" ضرب المثل کے طور آج تک پشکم میں مشہور ہے۔ الغرض پنکھا یا پشکم سے پیچھے ہٹ گیا اور وزیر زور آور سنگھ بغیر کسی مزاحمت کے قلعہ سوت پر آدھمکا۔

اتنی دیر میں سردیاں شروع ہو گئیں۔ جو لوگ کبھی لداخ گئے ہیں وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ لداخ کی سردی کس شدت کی ہوتی ہے۔ وہاں گرمیوں میں لوگ سایہ میں کھڑے کانپنے لگتے ہیں۔ سردیوں کا تو کہنا ہی کیا۔

زور آور سنگھ چاہتا تھا کہ کچھ خاطر خواہ انتظام کر کے وہ کشتواڑ چلا جائے۔ اُس نے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے پشکم کے کسانوں پر کچھ ٹیکس عائد کئے اُس نے لداخی راجہ سے ۱۵ ہزار روپیہ بطور تاوان مانگا۔ راجہ صلح کے لئے آگے ہی بیتاب تھا۔ اُس نے یہ موقع غنیمت سمجھا۔ اور ۱۵ ہزار روپیہ دینا منظور کر لیا لیکن بعد میں وُہ اس وعدہ سے[۱] مکر گیا۔ جب زور آور فاضل روپیہ لینے کے لئے

ع۱ مولوی حشمت اللہ اپنی تاریخ جموں میں لکھتے ہیں کہ راجہ لداخ کے اپنے وعدہ سے مکر جانے کے معتبر تحریری حالات جو دستیاب ہوئے ہیں اُن کے مطابق لداخ کے وزیر نے راجہ لداخ سے درخواست کی کہ وُہ جموّں کے راجہ کی کُلی اطاعت قبول کرے اور ۹ ہزار روپیہ سالانہ بطور نذرانہ ادا کرنا مان لے اور پندرہ ہزار روپیہ نقد بطور معاوضہ جنگ فوراً ادا کر دے۔ چنانچہ اس تجویز صلح کے معلوم ہونے پر راجہ نے بہت خوشی منائی اور وزیر نے لوگوں کی زبانی راجہ لداخ کو یہ بھی لکھا تھا کہ اگر کسی وجہ سے راجہ اپنی گرہ سے نذرانہ کی رقم ادا نہ کر سکتا ہو تو لوگ فی گھر چھ جاؤ (ایک جاؤ سوا تین آنے سکہ انگریزی) اس غرض کے لئے سالانہ ادا کرنے کو تیار ہیں۔

لداخی کیمپ میں پہنچا تو لداخی راجہ نے اپنے جرنیلوں کو حکم دیا کہ وہ زور آور سنگھ کے ہاتھ اور سر کاٹ کر لائیں ورنہ اُن کے سر اُڑا دیئے جائیں گے۔ ڈوگرہ قاصد کو بے رحمی سے پکڑ کر ڈانک بڑ کے پُل سے نیچے پھینک دیا۔ بستی رام کا بیان ہے کہ اس پر لداخی فوج نے اکتفا نہ کی۔ لداخی راجہ کے مشیر بنگا پا نے جگر دار راستہ اختیار کر کے عقب سے ڈوگروں پر حملہ کر دیا۔ غلین مو نخر پہ جو زخمی ہوئے اُنہیں قیدی بنا لیا اور بعد میں اُنہیں دریا میں پھینک دیا۔ ڈوگرہ فوج کو مجبور کیا گیا کہ وہ لنس کار نئے تک ہجرت کریں۔ اس دوران میں لداخی راجہ نے مزید فوج تیار کرنے کے لئے کوشش شروع کر دی۔ مورّخوں کا خیال ہے کہ لداخی راجوں کے پاس باقاعدہ فوج نہیں ہوتی تھی۔

فوج اکٹھی کرنے کے بعد لداخیوں نے فیصلہ کیا کہ سخت سردی کا فائدہ اُٹھایا جائے اور ڈوگروں پر حملہ کر دیا جائے۔ اُنہیں یقین تھا کہ ڈوگرہ فوج سردی کی وجہ سے

گیالپو ٹنڈوف نگمیل راجہ لداخ اور اُس کے اراکین نے ان شرائط کو مان لیا اور راجہ نے حکم دیا کہ دس ستون والے دالان میں سے یہ روپیہ نکال کر بھیج دیا جائے لیکن راجہ کی رانی (گیالمو) اور اُس کے بیٹے نے جنہیں امور سلطنت میں بوجہ راجہ کی عیاشی اور سُستی کے بہت زیادہ دخل تھا ان شرائط صلح نامہ کو ماننے سے قطعی انکار کر دیا۔ اور کہا کہ یہ لداخ کی خود مختاری کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ اتنا روپیہ دریا میں بہا دیا جائے۔ چنانچہ رانی اور ولی عہد سلطنت کی رائے غالب آئی اور صلح نامہ کی بات دھری کی دھری رہ گئی۔ یہاں لداخ کی اس رانی کے متعلق کچھ لکھنا ضروری ہے کہ ٹنڈوف نگمیل راجہ لداخ کو یہ رانی اپنے بڑے بھائی کے ورثہ میں ملی تھی۔ جب نگمیل کا بڑا بھائی چھتن نگمیل مر گیا تو اُس کی رانی حاملہ تھی اور حکومت نگمیل کے ہاتھ آ گئی۔ تو اس رانی کے بطن سے سیو انگ رفتن پیدا ہوا۔ جسے تاریخ میں

لڑ نہ سکے گی۔ اور اس طرح اُسے آسانی سے شکست دی جا سکے گی۔ ڈوگرہ جرنیل اِس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس سے پیشتر کہ لداخی فوج اُن پر حملہ کرتی؛ ڈوگرہ فوج نے لداخیوں پر حملہ کر دیا۔ لداخیوں نے بندوقوں کا استعمال کیا نہیں۔ ڈوگرہ سردار اور بیس جوان اس لڑائی میں مارے گئے۔ لداخیوں کا بہت نقصان ہوا۔ ۴۰۰ لداخی بھاگتے ہوئے برف کے پُل سے دریا میں بہ گئے۔ ۲۰۰ لداخی قیدی بنا لئے گئے۔

لداخی فوج مولبے تک ہٹ گئی اور ڈوگرہ فوج دوبارہ پشکیوم تک جا پہنچی لداخیوں کو جب اس کا علم ہوا تو وہ لیہہ کی طرف اور پیچھے ہٹ گئے۔ اور ڈوگرہ فوج آگے بڑھنے لگی۔

پورگ کے سردار جنہیں کچھ عرصہ پہلے سیپال نے قیدی بنا لیا تھا ڈوگروں

چھوعنفرول کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں لھاسہ کے ایک بڑے لامہ ایشے ڈوبا ٹیگرین پنچم پر الہام ہوا کہ گیال شش سیوانگ رفتن جو لداخ کی گیالمو سے پیدا ہوا ہے اس میں لامہ بھلو ددرجے نے جنم لیا ہے۔ اس انکشاف پر سیوانگ رفتن المعروف چھوعنفرول کو لنبر جی امتحان ہیمس اور چمرے کے گونپہ جات میں رکھا گیا۔
جب یہ جوان ہوا تو مذہبی تقدس نے اس کا مزاج آسمان پر چڑھا دیا تھا۔ وہ سخت تند مزاج ہو گیا۔ غرضیکہ اپنے ماں باپ کا لحاظ بھی اس نے ترک کر دیا اور وہ ناچ، رنگ اور تماشے میں محو رہنے لگا۔ گیالپو (راجہ) لداخ کی بدقسمتی کہ اس کی گیالمو (رانی) بھی اُس کے کہنے میں نہ تھی اور اپنے ایک پرائیویٹ ملازم چھیفروت صنم دا نیموگر کی ادائے پر چلتی تھی۔ اس طرح دونوں ماں بیٹے کی خودسری اور نظام حکومت میں اُن کی مداخلت اور غلبہ نے راجہ لداخ کی زندگی اجیرن کر دی سلطنت

کے ساتھ مل گئے۔ انہوں نے ڈوگروں کی رہنمائی کی لداخی اس تیزی سے پیچھے
بھاگ رہے تھے کہ انہیں راستے کے پل توڑنے کی بھی فرصت نہیں ملی۔ جب
ڈوگرے مزبو پہنچے تو لامایورا کے لوگ بہت خوفزدہ ہوئے اور انہوں نے
زورآور سنگھ کی خدمت میں خچر اور نقدی نذرانہ بھیجا۔ زورآور سنگھ ان کی
وفاداری سے بہت خوش ہوا اور ایک ڈوگرہ سپاہی ان کی حفاظت کے لئے
لامایورا بھیج دیا۔ جب ڈوگرہ فوج ٹی ٹنگموسنگ پہنچی تو وہاں کے لوگ بہت
خوفزدہ ہوئے۔ انہوں نے بھی دو گھوڑے اور کچھ نقدی پیش کی اور اپنی حفاظت
کے لئے ایک سپاہی حاصل کیا۔

جب ڈوگرہ فوج جرنیل زورآور سنگھ کی کمان میں نیورلو پہنچی تو
انہیں مسعس پولا۔ ایچی۔ ناٹی مو اور لی کر کے سفیر ملے۔ وہ اپنے ساتھ نذرانے لائے

کے وزیروں اور مشیروں نے سیوانگ رنگن مو ہر چند نے سمجھایا کہ اب تم جوان ہو گئے ہو
اور سلطنت کے ولی عہد ہو۔ اس لئے تمہیں شادی کر لینی چاہیئے۔ مگر اس خود پسند شہزادے
نے ایک نہ مانی اور کہا کہ میں تو گونپہ ہیمس میں لامہ رہوں گا۔ لیکن جلدی بعد جب اسے
یہ احساس ہوا کہ لداخ کے تخت کا سوائے اس کے کوئی وارث نہیں تو اس نے اپنی ماں
گیالمو لداخ کے چہیتے ملازم چھیفرونت صنم وانچھوک سے مشورہ کیا اور بالآخر نامہ
ڈوب وانگ، آجربہ لامہ گونپہ ہیمس کے زور دینے پر شادی کرنے کے لئے رضامند ہو گیا۔
چنانچہ کالون سیوانگ نمدوخہ کی بیٹی کلزنگ ڈولما سے اس کی شادی ہو گئی۔ اس
شہزادے کو پہلے تو شادی سے قطعی انکار تھا۔ لیکن جب ایک بار اس نے شادی
کا لطف اٹھایا۔ تو شادی پر شادی کرنے لگا۔ دوسری شادی اس نے چکھایا کالون
جیرے کی بیٹی صنم پلکیدن سے کی۔ اور اس کے بعد تیسری شادی زہرہ خاتون دختر

تھے۔ اُنہوں نے زورآور سنگھ کی اطاعت قبول کی اور زورآور سنگھ نے اُن کی حفاظت کا وعدہ کیا۔

تبت خورد بلتستان کی حکومتیں

یہاں یہ لکھنا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں بلتستان میں ذیل کی حکومتیں تھیں :۔

اسکردو میں راجہ احمد شاہ۔ طولتی میں راجہ احمد خاں۔ بہ کونہ راجہ غلام شاہ۔ کھپلو میں راجہ دولت علی خاں۔ کرس راجہ خورم خاں۔ کرتخشنہ (کھرمنگ) میں راجہ علی شیر خاں۔ شغر میں راجہ حیدر خاں۔ روندو میں راجہ علی خاں اور استور پر راجہ جبار خاں حکمران کرتا تھا۔

راجہ علی شیر خاں منیون والئے کھرمنگ راجہ احمد شاہ اسکردو والے کا داماد بھی تھا اور بھائی بھی۔ مگر آپس میں علاقائی اختلافات کی وجہ سے سخت دشمنی تھی۔ راجہ احمد شاہ کے بیٹے راجہ شاہ مراد نے راجہ علی شاہ پر حملہ کر کے اُس کی ریاست کھرمنگ اپنے قبضہ میں کر لی۔ اور راجہ علی شیر خاں لداخ کو فرار ہو گیا۔ شاہ مراد نے راجہ علی شیر خاں کی تمام دولت اور مال جائداد غصب کر لی حتےٰ کہ کھرمنگ کے قلعہ میں جو زیارت گاہ تھی اُس کی بھی بے حرمتی کر کے اس کا تمام سامان وغیرہ چھین لیا۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ مراد زیارت گاہ کی بے حرمتی

راجہ گلشن کیوم سے کر لی۔ یہ شادیاں ایک سال کے اندر ہوئیں۔ گیانیہ نے دو نگمیل کی مدد فرمائی ہے دولی اور اُس کی رانی کی خودسری اور ولی عہد کی عیاشی نے لداخ پر اس پار کی فوج کے لئے حملہ کرنے کا راستہ صاف کر دیا اور جس سال یہ شادیاں ہوئیں اُسی سال ڈوگرہ جرنیل زورآور سنگھ اپنی افواج کو لے کر سورو میں داخل ہوا۔

کی وجہ سے بیمار ہو کر چند دنوں میں ہی کھرمنگ میں مرگیا۔ اور یہ بے حرمتی شاہ مراد تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ کُل بلتستان میں جو بعد میں انقلاب آیا۔ یہ اُسی زیارت گاہ کو نقصان پہنچانے کی بنیاد بنا۔

جب راجہ علی شیر خاں کھرمنگ سے فرار ہو کر لداخ پہنچا تو اُس نے راجہ لداخ گیالپو ٹنڈوف نگمیل سے امداد کے لئے درخواست کی۔ ابھی کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا کہ ڈوگروں کی فوج زیرِ کمان وزیر زور آور سنگھ سورو میں وارد ہونے کی خبر لداخ میں پہنچ گئی۔

وزیر سے راجہ شیر علی خاں کی درخواست

راجہ علی شیر خاں نے لداخ کے راجہ پر امداد کے لئے زور دینے کی بجائے وزیر زور آور سنگھ سے ملنا چاہا۔ اور اپنے دودھ بھائی اور وزیر غلام حسین اور اپنے منشی فضل علی کو وزیر کے پاس اس مقصد کے لئے بھیج دیا۔ راجہ علی شیر خاں کی اپنی خود نوشت ڈائری میں لکھا ہے کہ جب اُس کے آدمی زور آور سنگھ کے پاس پوریگ میں پہنچے تو وزیر نے اُن کی آؤ بھگت کی اور کہا کہ تم آج کی تاریخ سے سرکار جموں کے معتمد تصور کئے جاؤ گے۔ جس طرح بھی ہو سکے۔ راجہ لداخ کو ہمارے سلام کے واسطے لے آؤ۔

راجہ لداخ کا ڈوگرہ جرنیل کو مراسلہ

ادھر راجہ علی شیر خاں کے معتبروں سے یہ بات چیت ہو رہی تھی، اُدھر راجہ لداخ کی طرف سے ایک قاصد وزیر کی خدمت میں لاما یورو کے مقام پر پہنچا۔ جس نے گیالپو کا خط وزیر کی خدمت میں پیش کیا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ آٹھ مہینے ہو گئے ہیں۔ ہمیں اپنی آزادی کو قائم رکھنے کی جدوجہد کرتے۔ لیکن ہماری کوئی کوشش بھی کارگر نہیں ہوتی۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں اگر وزیر زور آور سنگھ

کی طرف سے ہمیں اطمینان دلایا جائے کہ ہم پر کوئی بے جا دست اندازی یا زبردستی نہ کی جائے گی تو ہم خود اصالتاً وزیر صاحب کے پاس آکر صلح کی درخواست کریں گے۔ وزیر نے پلا تامل گیا لیو ٹنڈوف تکمیل کی اس درخواست کو منظور کر لیا اور جواب میں لکھ بھیجا کہ گیا لیو کو کسی قسم کا کوئی اندیشہ نہ کرنا چاہئے۔ ڈوگرے تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ لداخی سرکار جموں کی اطاعت قبول کریں اور ایک مقررہ رقم خراج کے طور سالانہ ادا کرنے کا انتظام کریں

لداخی قیدیوں کی رہائی اور معاہدہ صلح

ڈوگرہ جرنیل کا جواب خاطر خواہ پا کر گیا لیو لداخ سے بزگو پہنچ گیا اور وزیر سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ وزیر ایک سو سپاہیوں اور جھنڈا بستی رام کے ساتھ گیا لیو کے پاس آیا۔ گیا لیو نے آگے بڑھ کر نودر اور سنگھ کا استقبال کیا۔ بعد تمام ڈوگرہ فوج بھی بزگو پہنچ گئی اور دس یوم تک یہاں قیام رہا۔ اور باہمی گفت و شنید میں صلح کی تمام شرائط طے پا گئیں۔ پھر یہ فیصلہ ہوا کہ جرنیل نودر اور سنگھ اپنے ساتھ کچھ سپاہی لے کر لداخ چلے تاکہ عملی طور پر صلحنامہ کی تکمیل ہو جائے۔ وزیر نے لداخ جانا قبول کیا اور جب نودر اور سنگھ اپنے دس بارہ سپاہیوں کو لے کر لداخ پہنچا اور گیا لیو کے محلات میں ملاقات کے لئے گیا تو اُس وقت گیا لیو کے ساتھ اس کا ولی عہد چھوغنفرول بھی موجود تھا۔ وزیر نے اپنے دیس کے رواج کے مطابق از راہ محبت و دوستی ایک سو روپیہ لداخ کے ولی عہد کے سر پر سے نچھاور کرنا چاہا تو ولی عہد چھوغنفرول نے اسے اپنی ہتک سمجھ کر تلوار کھینچ لی۔ اپنے ولی عہد کو تلوار لہراتے دیکھ کر اُس کے ہمراہیوں نے بھی اپنی اپنی تلواریں میانوں سے نکال لیں۔ ڈوگروں نے معاملہ بگڑتا دیکھا تو وہ بھی اپنی تلواریں کھینچ کر وزیر کی طرف دیکھنے لگے۔ گیا لیو لداخ سخت گھبرا گیا اور اُس نے دست بستہ ہو کر وزیر

زور آور سنگھ سے کہا کہ بچوں کی بات پر نہ جانا چاہیئے۔ اس لڑکے کو کیا علم کہ وزیر صاحب از راہِ شفقتِ پدری اس کی سلامتی کے لئے روپیہ تصدق کر رہے ہیں۔ چنانچہ ولی عہد چھو خفر دل کو معہ اُس کے ہمراہیوں کے وہاں سے ہٹا دیا گیا۔ اور صلح کی گفت و شنید مکمل کر لی گئی۔ اور تمام لداخی قیدیوں کو معہ سو روپے استنزن کے رہائی حاصل ہوئی۔ لداخ میں وزیر نے نہ تو کوئی قلعہ تعمیر کیا اور نہ کوئی فوج تعینات کی۔ صرف اپنے ایک آدمی منشی دیا رام کو بطور وکیل سرکار جموں کی طرف سے راجہ لداخ کے دربار میں تعینات کر دیا۔ اس معاہدہ کے مطابق گیالپو ٹنڈوپ نمگیل نے لداخ کو جموں کی سلطنت کا حصہ ماننا منظور کیا۔ اور زور آور سنگھ نے گیالپو ٹنڈوپ نمگیل کو والئے جموں گلاب سنگھ کے تحت لداخ کا راجہ تسلیم کیا۔ معاہدہ کے مطابق گیالپو نے ۵۰ ہزار روپیہ جنگ کے اخراجات کے طور پر اور ۲۰ ہزار روپیہ سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ گیالپو کے پاس پچاس ہزار روپیہ نقد نہ نکل سکا۔ اس لئے ۳۷ ہزار روپیہ کی نقدی اور جواہرات دے کر یہ وعدہ کیا گیا کہ وہ باقی کا ۱۳ ہزار روپیہ دو قسطوں میں ادا کرے گا۔ ۶ ہزار روپیہ ایک مہینے کے بعد اور سات ہزار روپیہ چار مہینے کے بعد۔ لداخی تاریخ میں صرف ۹ ہزار روپیہ سالانہ ادا کرنے کا ذکر ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ جو اعداد و شمار منشی دیا رام کی ڈائری سے دیئے گئے ہیں یہ صحیح ہوں۔ اس طرح لداخ پہلی بار ڈوگرہ مملکت کا ایک حصہ بنا اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے وفادار جرنیل وزیر زور آور سنگھ نے اس کی سلطنت کا جھنڈا دنیا کی چھت لیہہ میں جا گاڑا۔

منشی دیا رام سفیر کا قتل

چار مہینے لیہہ میں ٹھہرنے کے بعد وزیر زور آور سنگھ واپس ہوا۔ لیکن اس کی واپسی کے بعد لداخی پھر خود مختاری کا درجہ حاصل کرنے کے لئے جمع ہونے لگے۔ اور وزیر کے تعاقب کی تیاری کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ گیالپو ٹنڈوپ نمگیل اس تجویز کا

سمت مخالف تھا مگر اُس کی گیالمو (رانی) اور ولی عہد چھوغفر ول اس کے بانی مبانی تھے۔ دونوں ماں بیٹے نے لوگوں کو بھڑکایا۔ گیالمو نے لداخ کے کالون (وزیر) بنکھا پا کو اپنے راجہ کے بالا بالا حکم دیا کہ سالانہ نذرانہ کی جو رقم دینا ہے اُس کی ادائیگی ہرگز نہ کی جائے بلکہ زبردست فوج تیار کر کے وزیر زورآور سنگھ کا تعاقب کیا جائے۔

چنانچہ جو معاہدہ جموں سلطنت کی ماتحتی کا کیا گیا تھا اُس سے حکومت لداخ منحرف ہو گئی۔ جن لوگوں پر ڈوگروں کے طرفدار ہونے کا خدشہ تھا اُن کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔ اور منشی دیا رام ڈوگرہ سفیر کو پکڑ کر بڑی بے رحمی سے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ ڈوگرہ جرنیل کو یہ خبر خفیہ طور پر تمبس کے جاگیردار تمگیل گیا پاچو نے جو کہ لداخ میں گیالپو کے پاس آیا ہوا تھا۔ پہنچائی۔ جب کہ جرنیل لنگلوم میں پہنچا تھا۔ ڈوگرہ جرنیل اس قسم کی وعدہ خلافی اور بغاوت کو کب برداشت کر سکتا تھا۔ وہ تیزی سے زانسکار کی طرف بڑھا۔ راستہ میں سورُو کے مقام پر لداخی فوج کو شکست دے کر اُس کے ۱۳ سرغنوں کو گرفتار کر کے پھانسی دے دی۔ اور پھر دس دن کے بعد زانسکار پہنچا۔ راجہ زانسکار کو حکومت سے بے تعلق کر دیا اور اُسے زانگلا کی جاگیر دے کر اِس علاقہ کا سارا انتظام اپنے ہاتھ لے لیا۔ زمینداروں پر بشرح ساڑھے تین روپیہ فی گھر مالیہ مقرر کیا، جسے لوگوں نے بخوشی تمام قبول کیا۔

باڈر کی مہم

زانسکار آنے کا اصل مدعا یہ بھی تھا کہ ریاست چمبہ کے پرگنہ باڈر کو اپنے قبضہ میں کر لیا جائے تاکہ لداخ کے ساتھ دوسرا راستہ جموں کا کھل جائے۔ چونکہ وزیر کا لداخ پہنچنا از بس ضروری تھا۔ اُس نے اِس مہم پر وزیر لکھپت لشتواڑیہ کو معہ فوجی دستہ کے بھیج دیا۔ اور خود ایک دُوسرے نزدیکی راستہ جو کہ ایک مقامی آدمی کا جی بھیم سالا نے بتایا لداخ کی طرف بڑھا۔ کیونکہ اُسے خدشہ تھا کہ اگر وہ اُس سیدھے اور لمبے راستے

سے لداخ جاتا ہے تو کہیں راستہ میں لداخیوں کے ساتھ مُٹھ بھیڑ میں وقت ضائع نہ ہو جائے۔ اس لئے وہ دن رات منزلیں طے کرتا دسویں روز لداخ کے نزدیک پہنچ گیا۔ وزیر کی آمد کی خبر جب غیر متوقع طور پر گیالپو ٹنڈوف کو پہنچی جو کہ اُس وقت معہ اپنے درباریوں اور ولی عہد اور رانی کے موضع تنے میں شوبلا کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ تو وُہ سخت گھبرایا اور تماشا چھوڑ کر اپنے درباریوں کے ساتھ وزیر کے استقبال کے لئے چھوت میں آگیا لیکن اُس کا ولی عہد چھوغسفردل جو اس بغاوت اور فساد کا بانی تھا اپنی دو رانیوں صنم ٹیلکیت اور زہرہ خاتون کو لے کر فرار ہو گیا۔ اور لداخ کی گیالمو یعنی ولی عہد کی ماں موضع تنے سے ٹانجی کی طرف بھاگ گئی۔ ولی عہد کی بڑی رانی کلزانگ ڈولما بوجہ ایام زچگی موضع تنے کے محل میں ہی رہی۔ دُوسرے دن چھوغسفردل معہ اپنی رانیوں کے اپنی ماں گیالمو کے پاس ٹانجی میں آپہنچا۔ اور اپنی دُوسری رانی صنم ٹیلکیت جو کہ اُمیدواری کی ترقی یافتہ حالت میں تھی کو ٹانجی میں چھوڑ کر اپنی ماں کے ساتھ اور تیسری رانی زہرہ خاتون کو لے کر سپیتی کی طرف چلا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ چھوغسفردل سپیتی سے شملہ پہنچا اور وہاں پر دو ماں بیٹے نے نواب گورنر جنرل ہند سے شکایت کی کہ جموں کے مہاراجہ نے ہمارا ملک ہم سے چھین لیا ہے۔ ہماری مدد کی جائے۔ لیکن اُنہیں ٹکا سا جواب ملا کہ لاہور کا بادشاہ رنجیت سنگھ سرکار انگریزی کا دوست ہے۔ اُس کے خلاف امداد نہیں دی جا سکتی۔ وُہ وقت جلد آنے والا ہے کہ تمہارا ملک بھی ہمارے قبضہ میں آجائیگا۔ اُس وقت ہم تمہارا ملک تمہیں واپس کر دیں گے۔ سردست وقت کا انتظار کرو۔ یہاں قیام کرو۔ تمہیں رسد وغیرہ دی جائے گی۔ مگر چھوغسفردل آب و ہوا راس نہ آنے پر راہی مُلکِ عدم ہوا۔ اور اُس کے جلد بعد اُس کی ماں گیالمو بھی مر گئی۔ زہرہ خاتون اپنے شوہر کی استخیاں لے کر لداخ واپس آئی۔ یہاں لکوگرہ جرنیل

کی طرف سے اُس کی سوتن صنم پلکیت کو نصف حصہ موضع ماکھوجا گیر میں مل چکا تھا۔ باقی نصف زہرہ خاتون کو عطا ہوا۔ لیکن اُس نے شادی کر لی اور ٹنکچم میں اپنے بھائی کے پاس فوت ہوئی۔

گیا لپو ٹنڈوف نمگیل کی حکومت سے علیحدگی

گیا لپو ٹنڈوف نمگیل جب وزیر زور آور سنگھ کے استقبال کے لئے آیا تو اپنی پشیمانی کا اظہار کر کے معافی مانگنے لگا۔ وُہ وزیر کے قدموں پر گر کر گڑگڑانے لگا۔ تو وزیر نے اُسے اپنے قدموں سے اُٹھا کر کہا کہ ہم نے تمہاری خود مختاری میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی۔ تمہاری ریاست میں ایک بھی فوجی اپنا نہیں رکھا۔ تمام اختیارات اور اقتدار کے تم خود ہی مالک تھے۔ کیا ہمارے اِس سلوک کا معاوضہ یہی ہونا چاہئے تھا کہ ہمارے سفیر کو قتل کر دیا اور بغاوت کی راہ اختیار کر لی اور مجھے واپس یہاں آنا پڑا۔ اِس پر گیا لپو پھر وزیر کے قدموں پر گر کر کہنے لگا کہ اِس بار معاف کر دیں۔ مَیں بے حد شرمسار ہوں۔ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ ہوگی۔

دُوسرے روز ڈوگرہ فوج گیا لپو کے ساتھ لیہہ پہنچ گئی اور وزیر زور آور سنگھ نے ٹنڈوف نمگیل سے کہا کہ باقی تاوان جنگ کی ہر دو اقساط فوراً ادا کی جائیں۔ اور حالیہ مہم کے اخراجات بھی ادا کئے جائیں۔ گیا لپو سخت مشکل میں تھا۔ ادائیگی کے لئے روپیہ پاس نہ تھا۔ چنانچہ محلات کی جائداد۔ سونے چاندی کے برتن۔ جانور اور کچھ نقدی اور کچھ زیورات کی شکل میں تمام رقم ادا کر دی۔ اب حکومت کا مسئلہ سلجھانا باقی رہ گیا تھا۔ وزیر نے اس طرف توجہ دی۔ گیا لپو کی اپنی کوئی آواز نہ تھی۔ نہ ہی کوئی سُوجھ بُوجھ۔ وہ ایک منٹ میں کوئی وعدہ کرتا تھا، تو

دوسرے منٹ میں اس سے ٹکرا جاتا تھا۔ اس لئے وزیر نے ٹنڈوف نمگیل کو سٹوگ کی جاگیر دے کر گدی سے ہٹا دیا۔ اب لداخ کی گدی پر کسے بٹھایا جائے یہ سوال زیر غور تھا کیونکہ حکومت کا حقدار چھوغسفرول ولی عہد فرار ہو چکا تھا۔ اور اس کا بیٹا ابھی چند روز کا تھا۔ اس لئے گیا لپوٹنڈوف نمگیل کے سابق وزیر جزل مورو پ سٹنزن کو جس نے وزیر کے پہلے حملہ لداخ کے وقت بحالت اسیری کافی اچھی خدمات انجام دی تھیں۔ اسے وزیر نے لداخ کا گیالپو (راجہ) منتخب کیا اور اس کا وزیر اعظم بزگو کے کالون سبوانگ تو بدن کو مقرر کیا اور آئندہ اٹھارہ ہزار روپیہ سالانہ نذرانہ کی رقم جموں سرکار کو ادا کرنے کی شرط مقرر کی۔

وزیر نے قصبہ لیہہ سے نیچے سکرا کی آبادی میں نالہ سنگلنو کے کنارے قلعہ تعمیر کیا اور اس میں تین سو ڈوگرے فوجی میاں دلیل سنگھ تھانیدار کے ماتحت رکھے گئے۔

مولوی حشمت اللہ نے اپنی تاریخ لداخ میں لکھا ہے۔ لداخ کی بغاوت میں پوریگ کا علاقہ بھی شامل تھا۔ اس علاقہ کے لوگوں کو یقین دلایا گیا تھا۔ کہ گیالپو سے لداخ کی امداد کے لئے لھاسہ سے ایک بہت بڑی فوج لداخ کی طرف حرکت کر رہی ہے۔ اس کا مقابلہ وزیر زور آور سنگھ کے لئے مشکل ہوگا۔ پوریگ کے سادہ لوح راجگان اور معززین نے اس خیالی فوج کے لداخ پہنچنے کا بھی انتظار نہ کیا۔ اور جوں ہی وزیر معہ ڈوگرہ افواج سورو سے زانسکار کی طرف روانہ ہوا انہوں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ سوت کے راجہ نے قلعہ لیری کھر پہ دوبارہ قبضہ کر لیا اور ڈوگرہ سپاہی جو اسے ہاتھ آئے انہیں قتل کر دیا۔ چوکی چھوپر کھر اور قلعہ سورو کا محاصرہ لوگوں نے کر لیا۔

یہ واقعات وزیر کو لاما یورو پہنچنے پر معلوم ہوئے اور وُہ لمبے پڑاؤ مارتا
پُشکم پہنچا۔ تمام راجگان پوریگ کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں۔ اِس طرح سے رحیم خاں
راجہ تمکچہ۔ اعظم خاں راجہ واکھا۔ کالون لمبا۔ محمد علی خاں۔ راجہ پُشکم سلام خاں۔ راجہ
سوت اور چھقدور ٹمکیل راجہ ٹمبس سب کو معزول کر دیا گیا۔ اور رحیم خاں برادر محمد علی
خاں کو تمام علاقہ کا فتولا سے لے کر حد اس اور سورُو تک حاکم بلقب کالون مقرر کیا گیا
اِس رحیم خاں نے سابقہ حملہ لداخ کے موقع پر وزیر زور آور سنگھ کی خدمات انجام
دی تھیں اور کسی بغاوت میں شریک نہ تھا۔

جموں کو واپسی

تمام علاقہ جات کا انتظام کر کے وزیر زور آور سنگھ زانسکار اور پاڈر کے راستہ جموّں کو واپس پھرا۔
اِس اثنا میں وزیر لکھپت نے پاڈر کو فتح کر لیا تھا۔ لداخ سے جموّں تک تمام علاقے
اب جموّں راج سے ملحق ہو گئے تھے اور ڈوگرہ جرنیل ان فتوحات کا حال اپنے آقا
گلاب سنگھ کو سُنانے کے لئے جموں کو روانہ ہوُا۔ جہاں کہ بے تابی سے اُس کا
انتظار ہو رہا تھا۔ جب وزیر زور آور سنگھ فاتح لداخ کی حیثیت میں جموں پہنچا
تو مہاراجہ گلاب سنگھ کے خاص ارشاد کے مطابق زور آور سنگھ کا پرتپاک استقبال
کیا گیا۔ اور ریاست کا دیوان بہ نفس نفیس زور آور سنگھ کے استقبال میں شامل
ہوُا۔ جب ڈوگرہ جرنیل دربار میں باریاب ہوُا تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے راج سنگھاسن
سے اُٹھ کر زور آور سنگھ کو گلے لگا لیا۔ اور اُسے بغل میں لے کر مہاراجہ نے وُہ فخر اور
عزّت عطا کی جو کہ خاص بہادروں کے ہی حصّہ میں آتی ہے۔ اور ایک شاہی فرمان
جاری کیا گیا کہ آئندہ کے لئے وزیر زور آور سنگھ کے لئے آداب عرض یا رام رام کی
بجائے "جے دیوا" کا استعمال کیا جائے۔ جے دیوا اُن دنوں صرف شاہی خاندان
اور خاص راجپوت بہادروں کی تعظیم کے لئے استعمال کی جاتی۔

جموّں سے لدّاخ اور بلتستان کا الحاق

وزیر زور آور سنگھ پانچ سال جموں میں

رہا اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے حکومتی کاموں میں امداد کرتا رہا۔ علاقہ جات ریاسی۔ بُدھل۔ راجوری اور پونچھ کے انتظامات اُس کے ماتحت تھے ۔اس نے لوگوں کو امن و قانون کی حد کے اندر رہنے کی تلقین کی اور ان علاقوں میں اپنے انصاف کی دھوم مچادی۔ زور آور سنگھ نے اپنے آقائے نامدار سے بلتستان کی تسخیر کے لئے اجازت طلب کی اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کا جھنڈا اسکردو میں جسے چھوٹی تبت کہا جاتا ہے گاڑا جائے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے وزیر کو مہاراجہ رنجیت سنگھ سے آشیرواد حاصل کرنے کے لئے کہا۔ مورّخین نے اس اجمال پر یوں روشنی ڈالی ہے کہ ۱۸۳۶ء میں زور آور سنگھ اسکردو پر حملہ کی درخواست لے کر مہاراجہ رنجیت سنگھ سے امرتسر کے نزدیک موضع جنڈیالہ میں ملاقی ہوا۔ لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ نے زور آور سنگھ کے اسکردو کے حملہ کے بارے میں رضامندی کا اظہار نہیں کیا اور اسکردو کی فتح کا خیال کچھ سالوں کے لئے بستہ خاموشی میں پڑا رہا۔

۱۸۳۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ اس جہانِ فانی سے رحلت کر گئے۔ اُن کے بعد اُن کا بڑا لڑکا کھڑک سنگھ لاہور کے تخت پر بیٹھا۔ کھڑک سنگھ ایک کمزور اور نااہل حکمران تھا۔ ساری طاقت اُس کے بیٹے کنور نونہال سنگھ کے ہاتھ میں تھی۔ کنور نونہال سنگھ برطانوی حکومت کی پنجاب میں دست اندازی کے خلاف تھا۔ یوں تو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وقت سے شاہ نیپال کے ساتھ براہ راست تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن پنجاب اور نیپال کے درمیان برطانوی ہندوستان تھا۔ کنور نونہال سنگھ نے ہمالیہ کے راستے نیپال کے

ساتھ تعلقات پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سکیم کو سرے چڑھانے کے لئے ضروری تھا کہ منڈی۔ کُلّو۔ اسکردو وغیرہ کی ریاستوں کو اپنے ساتھ ملایا جائے۔ لیکن اس سکیم پر عمل درآمد سے پہلے ہی کنور نونہال سنگھ وفات پا گیا۔ تو راجہ گلاب سنگھ نے اپنے جرنیل زور آور سنگھ کو اسکردو کی طرف اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کے لئے حکم دیا۔

وزیر زور آور سنگھ تیسری بار لیہہ میں

اِدھر وزیر زور آور سنگھ نے مہاراجہ گلاب سنگھ سے اسکردو کو فتح کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ اُدھر لداخ سے جو خبریں جموں میں پہنچیں وُہ نہایت مخدوش تھیں۔ لداخ سے وزیر کے جموں جانے کے بعد گیالپو مورو پ سٹنزن نے دو ایک سال سوچ سمجھ کر کام کیا۔ لیکن بعد میں وُہ عیاشی اور فسق و فجور میں مُبتلا ہو گیا۔ اُسے بالکل خیال نہ رہا کہ وُہ جموں راج کے ماتحت ہے۔ اور وزیر زور آور سنگھ کی مہربانی سے اُسے لداخ کا راج نصیب ہوا ہے۔ اُس نے کُپٹکم سے اپنے لئے ایک نئی رانی منگوائی اور اُس کے ساتھ عیش کرنے کے لئے اُس نے موریچہ باغ میں ایک عالی شان محل تعمیر کرایا۔ اور وُہ ناچ تماشوں میں اس قدر محو ہو گیا کہ حکومت کے انتظام میں سخت فتور مچ گیا۔ اور کشمیر کے سکھ گورنر میاں سنگھ نے جو گلاب سنگھ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو بنظر حسد و رشک دیکھتا تھا، نے پود بگ کے لوگوں کے ساتھ سازش کر کے جموں راج کا جُوا اُتارنے کے لئے بھڑکایا۔ اُس نے اپنے ایک ملازم فتح سنگھ جوگی کو کُچھ آدمیوں کے ساتھ کرگل بھیجا۔ کہ وہاں ڈوگروں کے خلاف بغاوت کرائی جائے۔ کالون رحیم خاں نے سکھوں کی امداد کے وعدہ پر ڈوگروں کو لداخ بلتستان سے نکالنے کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور پہلے اُس نے لداخ کے راجہ مورو پ سٹنزن کو اپنا ہم خیال بنایا اور اُسے کہا کہ وہ لھاسہ سے امداد منگوانے کا انتظام کرے اور اسکردو کی طرف سے بھی انتظام کیا جائے۔ اس طرح کشمیر۔

لھاسہ اور بلنت نان کی فوجیں ڈوگروں کو مار بھگائیں۔ پورگیگ میں ایک بغاوت نے عملی صورت اختیار کر لی۔ جہاں کے ندھان سنگھ تھانیدار دلاس وکرگل کو معہ اُس کے سپاہیوں کے قتل کر دیا گیا۔ اور لداخ و پورگیگ سے نذرانہ اور مالیہ کی ادائیگی بھی بند کر دی۔ اور وزیر کے مقرر کردہ تھانہ دار لداخ کے ساتھ بھی بدسلوکی ہونے لگی۔

جب یہ حالات جموں میں وزیر زور آور سنگھ کو معلوم ہوئے تو وہ ۱۸۳۹ء کے آخر میں تیسری بار لداخ پر حملہ آور ہوا۔ اُس وقت پاڈر میں بھی چمبہ والوں نے سرکار جموں کے سپاہیوں کو قتل کر دیا تھا اور شورش برپا کر کے پاڈر پر اپنا قبضہ بحال کر لیا۔ وزیر لداخ کے لئے پانچ ہزار فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ کشتواڑ پہنچ کر پہلے وُہ پاڈر گیا۔ اور قلعہ چھتر گڑھ کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور ایک نیا قلعہ گلاب گڑھ کے نام سے تعمیر کرا کے اپنا عمل دخل پاڈر پر کر لیا۔ اِس کے بعد وہ کشتواڑ واپس آیا۔ اور سورو اور واڑدن کے راستے لداخ کی طرف روانہ ہوا۔ وزیر نے سورو پہنچ کر زانسکار کے راستے لداخ جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن وہ موسم کے اچھے ہونے کے لئے چند روز وہاں ٹھہر گیا۔

لیہ میں جب یہ خبر پہنچی کہ وزیر زور آور سنگھ لداخ آ رہا ہے اور وہ زانسکار میں پہنچ گیا ہے۔ تو شرارتی عناصر کی تمام تجویزیں اُلٹ گئیں۔ بغاوت کا خیال چھوڑ کر لوگ اپنے اپنے بچاؤ کی تدبیریں کرنے لگے۔ اِس گھبراہٹ میں لداخ کا راجہ سٹنزن ایک فوجی دستہ اپنے ساتھ لے کر زانسکار اور سپیتی کی طرف روانہ ہوا۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر وزیر کے ساتھ صفائی ہو جانے کی توقع ہوئی تو وہ وزیر کے پاس حاضر ہو کر کہے گا کہ وہ پیشوائی کے لئے آیا ہے۔ اگر صفائی کا امکان نہ ہوا تو وہ سیدھا سپیتی کی طرف غیر ملک میں بھاگ نکلے گا۔ لیکن اُسے وزیر زور آور سنگھ کی سوجھ بوجھ اور معاملہ فہمی کا پوری طرح علم تھا۔ اُس نے اِس چال میں کامیابی

ممکن نہ دیکھ کر سپتی کا رُخ کیا۔ وزیر کو اِس بات کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی۔ اس نے اُس کے تعاقب میں آدمی روانہ کر دیئے۔ بیشتر اس کے کہ وُہ سرحد عبور کر کے سپتی میں داخل ہو، وزیر کے آدمیوں نے کچھ کش مکش کے بعد اُسے "نابُو" کے مقام پر گرفتار کر لیا۔ اور اُس کو اپنے ہمراہ لیہہ لا یا گیا۔

بہار ۱۸۹۷ء بکرمی مطابق ۱۸۴۰ء میں وزیر زور آور سنگھ تیسری بار لیہہ میں داخل ہؤا۔ ایٹنزن کو معزول کر کے اُسے قلعہ میں بند کر دیا اور باقی مفسدوں کو مناسب سزائیں دیں۔

اب وُہ وقت آ گیا تھا جبکہ لداخ کا باقاعدہ الحاق کیا جائے۔ اس لئے وزیر نے میاں مگنا کو تھانہ دار مقرر کر کے تمام ملکی انتظام اُس کے سپُرد کر دیا۔ اُس کی اولاد کے لئے ایٹنزن جو بعد میں گوبند رام کے نام سے مشہور ہؤا، اُس کا کالون مقرر کیا راجہ ٹنڈوپ نمگیل کو برائے نام راجہ بنا کر شاہی محلات اُسے واپس کر دیئے۔

جب لداخ کا انتظام درست ہو گیا، وزیر زور آور سنگھ نے کرگل اور اسکردو کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔

اسکردو کا ریاست جمّوں کے ساتھ شامل کیا جانا

اُس وقت اسکردو میں راجہ احمد شاہ کی حکومت تھی۔ اُس کے تعلقات اپنے لڑکے محمد شاہ کے ساتھ اچھے نہ تھے۔ احمد شاہ نے محمد شاہ کو تخت سے محروم کر دیا تھا۔ محمد شاہ نے وزیر زور آور سنگھ سے تخت حاصل کرنے کے لئے مدد مانگی۔ زور آور سنگھ نے ان حالات کو اپنے لئے موزوں پاتے ہوئے محمد شاہ کی درخواست منظور کر لی۔

۱۸۴۰ء کے ماہ مئی میں زور آور سنگھ نے ڈوگرہ فوج کے ساتھ ساتھ ۵ ہزار لداخیوں کی فوج کھڑی کر کے اسکردو کا رُخ کیا۔ اسکردو پر حملہ دو طرف سے

کیا گیا۔ لدا خی فوج کو زیر نگرانی ڈوگرہ افسروں کے ہنولہ۔ چھوٹہ بٹ وکھپلو کے راستہ روانہ کیا اور خود ڈوگرہ فوج کو لے کر گرکونو کی طرف روانہ ہوا۔ اس زمانہ میں لداخ سے اسکردو کا راستہ کرگل سے مرول وکھرسنگ ہو کر گزرتا تھا۔ گرکونو کے نزدیک دریائے سندھ کو عبور کر کے وزیر سونت کے سپری میں پہنچا۔ یہاں وزیر نے پوریگ کے باغیوں کو قرار واقعی سزائیں۔ یاد رہے کہ پوریگ میں سکمیر نامی ایک آدمی نے کچھ لوگوں کو بھڑکا کر بغاوت کر دی تھی۔ تمام پوریگ کا الحاق کر کے زور آور سنگھ نے کرگل دراس اور سورو میں تھانیدار مقرر کئے اور اُن کے ساتھ مناسب تعداد سپاہیوں کی تعینات کر دی۔ زور آور سنگھ کی ہمیشہ یہ پالیسی رہی کہ پہلے جس علاقے کو جموں سلطنت کے ساتھ شامل کیا جائے اُس کا انتظام سلطنت درست کیا جائے اور ایک مضبوط حکومت قائم کی جائے۔

پوریگ کا ملکی انتظام درست کرنے کے بعد اس علاقے سے بھی لشکر تیار کیا گیا۔ اس کے بعد زور آور سنگھ سپری کھر سے پہاڑ عبور کر کے چے چے تھنگ میں اُترا اور اسکردو کی طرف پیشقدمی کے لئے تیاری کرنے لگا۔

وزیر زور آور سنگھ کے حملے کی خبر جب اسکردو پہنچی تو راجہ احمد شاہ نے چھوٹہ بٹ اور مرول دونوں راستوں کے روکنے کا پورا پورا انتظام کیا۔ راجہ نے کوئی بیس ہزار کے قریب فوج ڈوگرہ فوج کی پیشقدمی کو روکنے کے لئے میدان میں جھونک دی۔ اسکردو کی فوج نے زور آور سنگھ کے چے چے تھنگ پہنچنے سے پہلے اُس آبادی کے مقابل موضع مرول سے تقریباً تین میل اُوپر کی طرف ایک بلند میدان میں لشکرگاہ بنا کر ڈیرے ڈال دیئے۔ چے چے تھنگ کا راستہ اسی میدان کے متصل دریائے سندھ کو عبور کر کے اُس کے داہنے کنارے پر اُترتا ہے، اس کا بایاں کنارا بوجہ اتصال سورو بند ہے۔ اس طرح بلتستان کی فوجوں نے

وُہ موقعہ پکڑا تھا جہاں پر دُوسرا راستہ ممکن نہیں تھا۔ یہ میدان اب تھامو خون اِی تھنگ یعنی میدانِ جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ اِس کے اُوپر اسکردو کی فوج نے کمین گاہیں اور مورچے بنا لئے اور دَرّہ والوں کو بھی جہاں سے یہ راستہ تھکم دے دیا سے میدان کے اُوپر چڑھتا ہے روک دیا۔ اِن حالات کے درمیان زور آور سنگھ کی پیشقدمی ناممکن بن گئی۔ اُسے دو مشکلات کا سامنا تھا۔ ایک دریا دُوسرا دشمن۔ اگرچہ یہ موسم سردی کا تھا لیکن سکم دریا سارا منجمد نہ ہُوا تھا۔ دریا پر دشمن کی گولی کے نیچے پُل بنانا محض ناممکن تھا۔ اِن مشکلات نے وزیر زور آور سنگھ کو عجیب مصیبت میں ڈال دیا۔ اُسے چے بے تھنگ میں قریباً دو ہفتے ٹھہرنا پڑا۔ اس اثنا میں رسد کی کمی ہونے لگی اور سردی اپنا زور دکھانے لگی۔ سپاہیوں میں بے چینی پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ لیکن زور آور سنگھ نے جو کہ گویا مشکلات کا سامنا کرنے کے لئے ہی پیدا ہُوا تھا۔ کمال مردانگی و حسنِ تدبیر سے اِن تمام مشکلات کا سامنا کیا۔

ایک روز رات کے اندھیرے میں اُس نے مہتہ بستی رام کو چند سپاہیوں کے ساتھ دریا کے کنارے سخ کی آزمائش کے لئے تعینات کیا۔ تمام دریا ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کہیں بھی جما ہُوا نظر نہ آیا۔ موضع گر کونو کی قوم درد کے لوگوں نے اس موقعہ پر رہنمائی کی۔ جو حصّہ دریا کا جما ہُوا نہیں تھا اُس میں پانی کی سطح کے سامنے دو چار بلیاں پھنسا دیں۔ سخ کے ٹکڑے جو دریا میں بہتے آرہے تھے یہاں آکر رُکنے لگے۔ چند ہی گھنٹوں میں دریا کے کھلے حصّے میں ایک مضبوط سخ کی چادر تیار ہوگئی اور دریا قابلِ گزر ہو گیا۔ روشنی ہونے سے بیشتر مہتہ بستی رام نے ایک دستہ فوج کو اِس نو تیار کردہ پُل سخ بستہ کے ذریعے دریا کے سطح دو سے گزار کر دشمن پر حملہ کر دیا۔

کہتے ہیں پُل کی تیاری کا پتہ دُشمن کو بالکل نہ لگا۔ اِس ڈھنگ سے یہ سارا کام سرانجام دیا گیا۔ دُشمن خوابِ غفلت میں پڑا ہُوا تھا کہ ڈوگرہ سپاہی یکایک نمودار ہوئے۔ بلتی فوج کو اُن کی کمین گاہوں نے ڈوگروں کے مقابلہ میں کوئی فائدہ نہیں دیا۔ دست بدست لڑائی میں دونوں اطراف کا کافی نقصان ہُوا۔ وزیر زور آور سنگھ نے پیچھے تھنگ سے مزید کمک بھیجی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ اِس لڑائی میں وزیر غلام حسن مارا گیا۔ اُس کے مارے جانے پر بلتی فوج نے ہمت ہار دی۔ اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ اِس طرح درّہ دانکو ڈوگروں کے قبضے میں آگیا۔

زورآور سنگھ نے اپنی تمام فوج کے ساتھ میدان تھاموخُون کی بلتی فوج پر حملہ کر دیا۔ چونکہ بلتی بلندی پر اور مورچوں میں تھے اِس لئے اُنہوں نے ڈوگروں پر خوب گولہ باری کی۔ لیکن زورآور سنگھ نے عین حکمت عملی سے کچھ سپاہی ایک پیچیدار راستے سے پہاڑی کے اُوپر چڑھا دیئے۔ اُنہوں نے بلتیوں کے مورچوں کو اُلٹ دیا۔ وُہ اپنی کمین گاہوں سے باہر نکلنے پر مجبُور ہوئے۔ دست بدست لڑائی میں وُہ ڈوگروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ بالآخر اُن کے بہت سے آدمی مارے گئے اور میدان ڈوگرہ فوج کے ہاتھ رہا۔ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اِس لڑائی میں ایک ہزار بلتی کام آئے۔ اور سردار فوج وزیر غلام حسن بھی جنگ میں مارا گیا۔

اِس طرح وزیر زورآور سنگھ میدان تھاموخُون سے فتح وظفر کا ڈنکا بجاتا ہُوا مرول میں داخل ہُوا اور یہیں سے فراریوں کا تعاقب کرتا ہُوا حمزہ گونڈ پہنچا۔ یہ واقعہ نظر بائے ۱۸۳۵ء کے وسط کا ہے۔ یہ لڑائی فتح بلتستان کے لئے ایک فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اگرچہ بلتیوں نے ایک اور مقابلہ حمزہ گونڈ میں کیا لیکن

یہ بہت خفیف تھا۔ حمزہ گونڈ کے فتح کرنے کے بعد وزیر زور آور سنگھ کے اسکردو پہنچنے تک راستہ میں کسی جگہ اُس کی مزاحمت نہیں ہوئی۔

وزیر زور آور سنگھ جب اسکردو پہنچا تو راجہ احمد شاہ قلعہ کھرپوچے میں قلعہ بند ہو گیا۔ قلعہ ایسی پہاڑی پر واقع تھا جس پر کسی طرف سے بھی اُوپر چڑھنے کا راستہ نہیں تھا۔ اِس قلعہ سے اُوپر چٹان کی عین چوٹی پر ایک چھوٹا سا میدان ہے۔ اِس میدان پر چڑھنے کے دو راستے ہیں۔ ایک اِس قلعہ کے اندر سے اور دُوسرا پہاڑی کی غربی طرف سے۔ اِس راستہ کو روکنے کے لئے اِس میدان میں ایک مضبوط بُرج تعمیر کیا گیا تھا۔ بُرج ایسے موقعہ پر بنایا گیا تھا کہ اگر اُس میں چند آدمی بھی بیٹھے ہوں تو اُس طرف سے کوئی گزر نہیں سکتا۔ اور کوئی راستہ اِس میدان کے اُوپر چڑھنے کا نہیں۔ اور اِس میدان کے سوا اور کسی طرف سے یہ قلعہ زد میں نہیں آسکتا۔ اِس قلعہ کو اُس زمانہ میں ناممکن التسخیر سمجھا جاتا تھا۔

زور آور سنگھ نے اِس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ دس روز اِس طرح سے گزر گئے لیکن محصورین پر اِس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وزیر نے راجہ شیر علی خاں کے ذریعے ایک حکمت عملی چلائی۔ راجہ شیر علی خاں نے راجہ احمد شاہ کو اطمینان دلایا کہ وزیر اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ راجہ وزیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُسے قید کر لیا گیا اور اِس طرح اسکردو پر بلا کشت و خون قبضہ کر لیا گیا۔

فتح استور اسکردو پر قبضہ کر لینے کے بعد وزیر زور آور سنگھ نے روندہ کو فتح کیا۔ تسخیر روندہ کے بعد وزیر نے ۵۰۰ ڈوگرہ سپاہیوں کے ساتھ استور پر حملہ کرنے کے لئے مدین شاہ کو مامور کیا۔ جبار خاں راجہ استور اِس حملہ کی خبر پا کر قلعہ بند ہو گیا۔ مدین شاہ نے

محاصرہ کر لیا اور تقریباً بیس روز تک لڑائی جاری رہی۔ اس قلعہ میں پانی کا مستقل انتظام نہیں تھا۔ پانی کی سپلائی حملہ آور فوج نے بند کر دی جس کے سبب جبار خاں قلعہ سے باہر نکلنے پر مجبور ہوا اور مدین شاہ کے ہاتھ میں قید ہو گیا۔ مدین شاہ استرد پر پورا تصرف کر کے جبار خاں کو اپنے ساتھ لے کر وزیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جبار خاں کچھ عرصہ وزیر کی قید میں رہا۔ اس اثنا میں سکھوں کے حاکم صوبہ کشمیر نے اعتراض اُٹھایا کہ استور سکھوں کے اقتدار میں ہے۔ اس بنا پر جبار خاں کو اسکردو سے رخصت کیا گیا۔

۱۸۴۰ء کے موسم بہار میں زور آور سنگھ ڈوگرہ افواج اور معزول راجہ احمد شاہ اور دیگر وزیروں اور امیروں اور نفر کے چند اشخاص کے ساتھ براہ کھپلو لداخ کو واپس ہوا۔

لداخ پہنچ کر پہلا کام جو وزیر نے کیا وہ تھا گیالپو ٹنڈوپ نمگیل کی جانشینی۔ اصل وارث خاندان لداخ لیہہ سے بھاگ کر سپتی وغیرہ چلا گیا تھا جہاں وہ فوت ہو گیا۔ اس کے فرار ہونے سے چند روز پیشتر اس کی بڑی بیوی کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام جگمت نمگیل رکھا گیا۔ یہ اپنی والدہ کے ساتھ موضع مٹے کے محل میں رہتا تھا۔ یہ بچہ ابھی شیر خوار تھا۔ وزیر نے اُس کو اُس کی والدہ کے ساتھ لیہہ بلایا اور شاہی محل میں حسب دستور قدیم رسومات جانشینی کے ادا کرنے کا انتظام کیا۔ وزیر نے پوری شان کے ساتھ جگمت نمگیل کو تخت پر بٹھایا۔ وزیر نے اپنے ہاتھ سے جگمت نمگیل کے سر پر صافہ باندھا اور چوغہ پہنایا۔ ڈھال تلوار لگائی اور کہا کہ تمہارے دادا قضائے الٰہی سے تخت جموں کی خدمت کرتے وفات پا گئے ہیں جس کا افسوس ہے۔ اُن کی جگہ تمہیں تخت پر بٹھلایا جاتا ہے۔ آئندہ تمہاری پرورش اور آرام و آسائش کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا۔

اُس کے بعد راجہ دولت خاں والئے کھپلو نے کھڑے ہو کر گیالپو جگمت نمگیل کو تخت نشینی کی مبارک بادی اور اپنی طرف سے ڈھال تلوار پیش کی۔ بعد ازاں رُوسا اور معززین لداخ نے حسب دستور نذریں پیش کیں اور اظہار عقیدت پیش کیا۔

مہم بلتستان کے حالات ایک چشم دیدہ گواہ گنگا رام نکاشتی نے بھی بیان کئے ہیں۔ اُس نے لکھا ہے کہ وزیر زورآور سنگھ کی لیاقت کو کوئی دوسرا آدمی نہیں پہنچتا۔ اُس نے سیتلا دیوی کی پرستش کی۔ اور یہ منت مانی کہ اگر جنگ میں فتح ہوئی تو استھان پختہ تعمیر کیا جائے گا۔ چنانچہ اُسے خواب میں دیوی نے درشن دیئے۔ اور آواز آئی کہ فتح تمہاری ہی ہوگی۔ البتہ مہاراجہ گلاب سنگھ و سوچیت سنگھ کا دھیان اپنے دل میں رکھو۔ گنگا رام لکھتا ہے کہ وزیر اوتار ہے۔ وُہ خود مختار ہے اور ہوشیار ہے۔ اسکردو میں وزیر نے اعلان کیا کہ جو کوئی گائے بیل کو مارے گا اُس کی جان لی جائے گی۔ عام لوگوں کو اعلان کر دیا کہ ہر شخص کو امان دی جاتی ہے۔ اب کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ گنگا رام کا بیان ہے کہ وزیر کی تعریف اُس کا قلم کرنے سے قاصر ہے۔

مہم بلتستان کی ڈائری کا ورق

گنگا رام نکاشتی لکھتا ہے کہ وزیر نے چے میں ڈیرہ لگا دیا۔ ٹینٹل و ٹنڈی میں گھیرا کر لیا۔ پہلے مروا کے ملکان کو روانہ کیا۔ امام ملک کو ان کا سردار مقرر کیا۔ ظفرلون زمیندار نے آرپار مورچے لگائے۔ ظفرلون ساکن مروا پُرانا ملازم سرکار ہے۔ اُس نے اپنا جان و مال سرکار کی خدمت میں قربان کیا ہوا ہے۔ مختار و محمد خاں دونوں حقیقی بھائی ہیں۔ وُہ ملکان مروا کے ساتھ پار چلے گئے۔ یہ دونوں خدمت گذار ہیں۔ میر باز خاں کو ان کے ہمراہ کیا گیا۔ اور سپاہیوں کو مع سامان کے بھیجا گیا۔ برف کے اندر بہت تکلیف تھی۔ اُنھوں

نے دریا پار کرنے کا انتظام کیا۔ اور بھوٹیان کا سردار رحیم خاں تھا۔ وہ جنگ کے قابل نہیں تھا۔ لیکن اُسے اندیشہ پیدا ہوگیا کہ اگر دریا پار نہ کیا گیا تو ناک اور کان کاٹا جائے گا۔ مہتہ بستی رام کو وزیر نے بلایا اور دریا پار جانے کا حکم دیا اور کہا کہ دریا کے اُوپر جھینکا باندھنے کی جو تجویز ہے اُس کی خبر لاؤ۔ باشندگان ناگ سین و پاڈر اُس کے ہمراہ کئے اور کہا کہ رات کو جھینکا تیار ہو جائے۔

ایک آدمی وزیر زور آور سنگھ کے پاس آیا اور کہا کہ اِس جگہ جھینکا باندھنا مشکل ہے۔ دو ملازم جو تیرنا جانتے ہوں ساتھ دیئے جائیں۔ رات کے وقت دریا پار ہو جائیں۔ لہٰذا کمند اساکن جوہد پور وہاں موجود تھا۔ اُس کو کہا کہ مشک لے کر دریا پار ہو جاؤ۔ اُس کو پچاس روپیہ انعام دینے کا اقرار کیا۔ اور بہت سے آدمی بھی اُس کے ساتھ تعینات کئے۔ اور اُسے فہمائش کی کہ موقع نازک ہے۔ ہماری شرم رکھنا۔ مہتہ بستی رام نے بھی ہاتھ جوڑ کر سمجھایا کہ دل و جان سے کوشش کرو۔

مہتہ بستی رام جھینکا لگا کر پار اُتر گیا۔ موقع ٹری میں پہلے تلوار کی لڑائی ہوئی۔ مرزا رسول بیگ صاحب اقتدار اور دلیر آدمی ہے۔ وہ فوج کا جمعدار ہے۔ دریا عبور کر کے اس نے حملہ کیا۔ سامنے سخت چڑھائی تھی۔ اُس نے اپنی فوج کی حوصلہ افزائی کی کہ حق نمک ادا کرنا چاہیئے۔ تمہاری تعریف دونوں جہان میں ہوگی۔ اس کی فوج بڑی بہادر ہے۔ ادنوڑہ کا رانا جالم سنگھ بھی بڑا بہادر آدمی ہے اور اس کی فوج بہت دلیر ہے۔ صمد خاں جمعدار افواج پٹھان کا اچھا لائق آدمی ہے اور اس کے سپاہی بہت جواں مرد ہیں۔ ان سب نے دریا کے پار جا کر دھاوا کیا اور بجلی کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ وزیر زور آور سنگھ کا خدمتگار

سکا لونیگی۔سوکیا۔گمھار اور گوپی شاہ وغیرہ ان کے پیچھے چلے۔یہ سب آدمی دریا پار کی چڑھائی کے اُوپر چڑھ گئے۔بلتستان کے لشکر نے اُنہیں گھیر لیا۔تین ہزار بلتی جب ان کے گرد جمع ہو گئے تو ہماری فوج واپس ہو گئی۔اس کے بعد فوج نے پھر حملہ کیا۔بلتی لشکر کو بہت نقصان پہنچایا۔ربنہ رامہ کے میاں منصدی نے لڑائی میں خوب تلوار چلائی اور بہت بلتی مارے۔کاسنی گڑھ کے بھوپت مہان سنگھ نے بلتی لشکر کا بہت نقصان کیا۔وزیر صاحب کا یادرچی دامودر اتنا کم عقل ہے کہ اگر اس سے چاول مانگنے ہیں تو روٹی دیتا ہے۔اس نے سپاہی بن کر بہت بلتیوں کو مارا اور برہمنوں کا نام بہادری میں روشن کیا۔پلٹن کے ملازمان کو کہا کہ دس بیس آدمی پار جاؤ۔انہوں نے ٹٹری کے اندر تلوار چلائی۔اس موقع پر دو تین آدمی مارے گئے۔وسفا سردار کے پیٹ میں گولی لگی۔وہ ختم ہو گیا۔اس کا بھائی مسمی بھیکم تھا۔راج گڑھ کا زمیندار سرن لڑائی میں مارا گیا۔وہ بن بیاہا تھا۔رحیم خاں جمعدار کو بلایا گیا اور لڑائی پر بھیجا گیا۔اس نے اور رانا بھگوان سنگھ بھدروا والا نے تلوار ہاتھ میں لے کر خوب لڑائی کی اور بلتیوں کو بھگا دیا۔رانا دلیپ سنگھ گلھیال والا کو بوقتِ جنگ سُستی آجاتی تھی۔مگر جب وہ تلوار پکڑتا تھا تو خوب لڑائی کرتا تھا۔میاں مبارک تھانیدار سکنہ کشتواڑ نوجوان آدمی تھا اور لڑائی میں بہت بہادر تھا زمور یان کا جمعدار عظیم خاں اور اس کا بھائی سعد اللہ خاں اور اس کی فوج باسامان اور نہایت مستعد تھی۔رات کے وقت دُوسری فوج کے ہمراہ میاں مبارک اور ہر دو برادران مہان سنگھ و منگل سنگھ نے بڑی جوانمردی دکھائی جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔فیتو و جرنتا دونوں جان بازی میں یکتا تھے۔ان کے سر پر سے ایک سو روپیہ نچھاور کیا گیا اور وزیر لعبہ جو چھٹی سپاہیوں کے ساتھ لشکر

اسکردو کے مقابل تھا۔ سب سے پہلے کٹنیال موضع کٹنی کا تلوار بندوق لوٹ کر لایا۔ کموں کوتوال اور مقدم بھاگو خبر لائے کہ ہماری فوج میں خیریت ہے صرف نو نفری مجروح اور دس مقتول ہیں۔ حلال نمک سپاہ نے بجلی کی طرح تلوار چلائی۔ وزیر لدورا اور سنگھ نے دُوربین لگائی اور دیکھا کہ ایک ایک سپاہی نے دو دو نفری ماری ہے۔ دُوربین دیکھنے والا جانتا ہے کہ درست ہے یا جھوٹ۔ اب بلتی لشکر بھاگنے لگا اور سپاہی زمیندار بہت مارے گئے اور بلتی سردار بھی بھاگ گیا۔ موضع مردل پر حملہ ہوا۔ یہاں دشمن کی سپاہ بہت ماری گئی اور بلتی لشکر پریشان ہو گیا۔

سب سے پہلے راجہ علی شیر خاں نے اطاعت کی اور درخواست کی کہ ہم رعیت سرکار ہیں۔ ہمارے ساتھ لڑائی نہیں کرنی چاہئے۔ اس پر اس کو خلعت سے سرفراز کیا گیا۔ راجہ مذکور نے کہا کہ مقام حمزہ گنڈ میں تشریف لے چلئے اور وہاں اطمینان سے قیام فرمایئے۔ یہ ملک سرکار کا ہے کسی طرح کا خوف و خطرہ نہیں ہے۔ کوئی اندیشہ نہ کریں۔ راجہ نے بندوق و تلوار بطور نذر پیش کی۔ اور وزیر نے حیدر خاں کو جس کے گانوں میں رات کو قیام ہوا، خلعت دیا۔ دُہ دونوں ہمراہ رہے۔ ان ہمراہی آدمیوں کو کنٹھا اور کنگن بطور انعام دیا گیا۔ جن رئیس نے خدمات کیں اس کو جاگیر عطا ہوئی۔

حمزہ گونڈ سے چل کر کھرمنگ میں مقام ہوا۔ سب فوج گانوں میں رہی وزیر صاحب نے راجہ علی شیر خاں کے قلعہ میں قیام کیا۔ سب لوگ دیکھنے کے واسطے گئے۔ اس روز چندر گرہن تھا۔ خوب دان پُن کیا گیا۔ کھرمنگ سے چل کر مابورو میں قیام کیا گیا۔ دوسرے دن پہاڑ کا راستہ طے کیا۔ پیادوں کا راستہ الگ اور سواروں کا راستہ الگ تھا۔ یہ راستہ ابتدا

دشوار گذار تھا کہ لوگوں نے رام رام کہنا شروع کیا۔ مایوردو سے چل کر پرکوتہ پہنچے۔ پرکوتہ سے چل کر گرگول مقیم ہوئے۔ غیر ممالک سے واقفیت نہ تھی۔ علی فقیر خان رہنمائی کے لئے اس جگہ پہنچ گیا۔ دس پانچ سپاہی بھیج کر برج کو پھونک دیا۔

راجہ احمد شاہ کو اسکردو میں خبر پہنچی کہ فوج آگئی ہے تو وہ اپنی رعیت اور اپنے آدمیوں کو لے کر قلعہ بند ہو گیا۔ آہستہ آہستہ فوج بھی اسکردو پہنچ گئی۔ اسے دیکھ کر احمد شاہ کو خوف سے اسہال جاری ہو گئے۔ فوج نے ہفتود گو میں ڈیرہ کیا۔ ہفتور گو اور اسکردو کے درمیان جو برج ہے اس کو گھیر لیا۔ محافظین برج نے یہ حال دیکھا تو وہ بھاگ گئے۔ احمد شاہ بھاگ گیا۔ سوار اور پیادوں نے حملہ کر کے احمد شاہ کے گھر کو جلا دیا۔ اسکردو میں فوج پہنچ گئی اور مورچے درست کر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ جمبورے اور جزائل چھوٹے اور لوگوں کو خوف پیدا ہوا۔ پانچ روز محاصرہ رہا۔ اس سے احمد شاہ ہمت ہار گیا اور وزیر کے پاس حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ مجھے اطاعت منظور ہے۔ اس کے بڑے بیٹے محمد شاہ کو راج دیا۔ وزیر بونو کو اس کا وزیر مقرر کیا۔ زمینداروں نے جوجو (یہ لفظ لداخی زبان میں سلام کی جگہ استعمال ہوتا ہے) کرنا شروع کر دیا۔ احمد شاہ افسوس کھاتا رہا۔ محمد شاہ کو خلعت دیا گیا۔ خدا کی مرضی پر کچھ بس نہیں چلتا۔

مہتہ بستی رام کو قلعہ میں بھیجا۔ جو کچھ قلعہ میں مال وزر تھا اٹھا لایا۔ خدا کی مرضی سے کہیں دھوپ اور کہیں سایہ ہوتا ہے۔ تمام اسباب جمع کیا گیا قلعہ والے رونے پیٹنے لگے۔ محی الدین شاہ بھاگ گیا۔ وزیر اتنارا نے اس کا تعاقب کیا۔ مہتہ بستی رام مختار تھا۔ مگر چنداں اختیار نہ رکھتا تھا۔ لکھنے والے گدگا رام نکاشی نے یہ تحریر کیا ہے۔ وزیر اوتار ہے۔

وہ خود مختار ہے اور ہوشیار ہے۔ کھپلو وچھورہ بٹ کی حکومت وہاں کے راجہ کو دے دی کہ جس طرح چاہو حکومت کرو۔ دس ہزار لوگ قلعہ میں معہ زن و بچہ جمع ہوئے۔ دوسرے دن لوٹ مچ گئی اور زن و مرد کو لوٹ لیا۔ وزیر صاحب بھی وہاں تشریف لائے۔ اور وہاں پر ہولی کھیلی گئی۔ اور تمام بلتیوں کو گولی کے مانند سختی معلوم ہوئی۔

پیشکم والے رحیم خاں کو جو اس علاقہ کے مالیہ پر اپنا گزارہ کرتا تھا۔ محمد جان پکڑ کر لایا۔ اور وزیر نے نوشیروانی عدالت کی۔

حکم دے دیا گیا کہ جو کوئی گائے بیل مارے گا اس کی جان لی جائیگی۔ عام لوگوں کو اعلان کر دیا کہ ہر شخص کو امان دی جاتی ہے۔ اب کسی قسم کا خوف وخطرہ نہیں کرنا چاہیئے۔ وزیر صاحب کی حکومت کی تعریف میرے قلم سے نہیں ہو سکتی۔ گو کہ رام نکاشی نے لکھنے میں مبالغہ نہیں کیا ہے۔

احمد شاہ اکڑ گیا۔ اور وزیر زور آور سنگھ نے گرفتار کر لیا۔ بلتن والوں کے سپرد کر دیا۔ اور اس سے تمسک دس ہزار روپیہ ادا کرنے کا لکھوا لیا۔ اس نے ایک مہینے تک اس رقم کے ادا کرنے کا اقرار کیا۔ ورنہ وزیر نے حکم دیا کہ جان سے مارا جائے گا۔

لداخی راجہ کو چیچک نکلی وہ راستہ میں مر گیا۔

بعد میں وزیر صاحب شگر میں گئے اور تین سو سپاہی اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں چار پانچ روز قیام کیا۔ شگر بہت عمدہ مقام ہے۔ وہاں سے واپس آنے کو جی نہیں کرتا تھا۔ شگر کے ملک کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

لہاسہ کی مہم

گیالپو حکمت نمگیل کی تخت نشینی کی رسم بخیر و خوبی انجام پائی گئی۔ اس وقت تک جرنیل زور آور سنگھ کشتواڑ کے بعد لداخ بلتستان اسکردو وغیرہ بلکہ ہمالیہ کے بہت سارے حصّے کو جمّوں ریاست کے ساتھ ملا چکا تھا۔ اُسے اپنے آقا نامدار گلاب سنگھ کی طرف سے حکم ملا کہ جمّوں کی سرحدیں کیلاش پربت اور جھیل مانسرووز سے آگے وسط تبّت تک پہنچائی جائیں۔ تاکہ ایک بار پھر ہمالیہ کو بھارت کا حصّہ بنایا جا سکے۔ جرنیل زور آور سنگھ پہلے ہی تبّت پر فوج کشی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اُس نے تبّت کی مہم کو سر کرنے کی تیاری شروع کر دی اور ۱۸۴۱ء کے اوائل میں گارو کے چینی گورنر کو لکھا کر رودوک کا ضلع ڈوگرہ حکومت کے حوالے کیا جائے۔ کیونکہ یہ ضلع کسی وقت اسکردو کی حکومت کے ماتحت تھا۔ گارو کا گورنر وزیر زور آور سنگھ کے ساتھ ٹکر لینے کی ہمّت نہیں رکھتا تھا۔ اُس نے پانچ گھوڑوں اور پانچ خچروں پر مشتمل ایک تحفہ وزیر کی خدمت میں بھیجا۔ وزیر نے اِس تحفہ کو اپنی توہین سمجھا اور ماہ اپریل میں وزیر نے گارو پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

قلعہ لدّاخ کی یادگاری کھڑکی

مولوی حشمت اللہ اپنی تاریخ لداخ میں رقمطراز ہے کہ جرنیل زور آور سنگھ کی گارو پر فوج کشی سے ہی اصل میں تبّت کی مہم شروع ہو جاتی ہے۔ جب وزیر زور آور سنگھ اِس مہم پر روانہ ہوا تو اس نے اپنی روانگی سے پہلے یادگار کے طور قلعہ لداخ کے پھاٹک کی ایک کھڑکی کو اپنے ہاتھ سے مقفل

کیا۔ اور لوہے کے بترے پر ذیل کے الفاظ لکھ کر جڑ دیئے کہ "جب تک تبت کے دارالخلافہ لہاسہ پر ہمارا جھنڈا نہ لہرائے اس کھڑکی کو نہ کھولا جائے"۔ اس پختہ عزم اور مستقل ارادہ کے ساتھ وزیر زورآور سنگھ نے تبت کے دارالسلطنت لہاسہ کی طرف پیشقدمی کی اور سب سے پہلے مہاراجہ گلاب سنگھ کے اس عظیم جرنیل نے کیلاش پربت اور جھیل مانسرور کو اپنے حلقہ اقتدار میں لانے کا قصد کیا۔

کیلاش پربت اور مانسرور پر قبضہ

مئی ۱۸۴۱ء کے آخر میں بلتستان لداخ اور یورپ کی علاقائی فوج کے ساتھ ڈوگرہ سپاہ کو لے کر وزیر آگے بڑھا۔

یہ تمام لشکر ڈوگرہ کمان افسروں کے تحت چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کردیا گیا اور ساری فوج کے دو حصّے کر دیئے گئے۔ ایک حصّہ میاں رائے سنگھ کی زیر کمان ریشو دانلے کے راستے روانہ ہوا اور دوسرا حصّہ خود وزیر کی کمان میں براہ چیگلا و ٹانچی مارچ کرنے لگا۔ جب دونوں فوجیں رودوق کے نزدیک پہنچ کر مل گئیں تو قلعہ رودوق پر حملہ کیا گیا۔ لہاسہ کی فوج قلعہ بند ہوگئی ۔ اور جسہ بستی رام کو ڈوگرہ جرنیل نے قلعہ پر دھاوا کرنے کا حکم دیا۔ خفیف سی لڑائی میں کمان افسر قلعہ مارا گیا اور لہاسی فوج نے حوصلہ پست ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ قلعہ پر قبضہ کر کے اور ایک ڈوگرہ کمان افسر کو سارے علاقہ کا انتظام سونپ کر جرنیل زورآور سنگھ گرگی

لے وزیر زورآور سنگھ کی یہ یادگار قلعہ لداخ کے پھاٹک پر آج تک باقی ہے۔

طرف بڑھا۔

روڈوق سے گر پہنچنے کے لئے بھی دو راستے تھے۔ ایک راستہ کشی گانگ دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ اور دوسرا براہ لبرا جو سیدھا گر پہنچتا ہے۔ وزیر خود لبرا کے راستہ روانہ ہوا اور مہتہ بستی رام کو ایک دستہ فوج کے ساتھ براستہ کشی گانگ بڑھنے کا حکم دیا اور دونو فوجیں گر پہنچ کر مل گئیں۔ راستہ میں کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔

اس علاقہ میں لکڑی کا نام و نشان نہیں اور موسم لداخ کے مقابلہ میں زیادہ سرد ہے۔ لوگ مکان تعمیر نہیں کرتے بلکہ خیموں میں رہتے ہیں۔ جو یاک کے بالوں سے تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ خیمے مٹی پتھروں سے بنے ہوئے مکانوں سے زیادہ گرم ہوتے ہیں۔ گر میں تبت کے فوجی افسروں کی رہائش کے لئے ایک معمولی سا مکان بنا ہوا تھا۔ وزیر نے اس کی درستی کرا کے اسے رسد کا ذخیرہ بنا دیا حفاظت کے لئے چند ایک سپاہی بھی تعینات کر دیئے۔

ڈوگرہ فوج کی اس تیز رو پیش قدمی اور علاقہ در علاقہ کو اپنے انتداد میں لانے کی خبریں تبت کے دارالخلافہ لہاسہ تک لا ماگورو کے علاوہ ایک طرف جہار ... چال اور دوسری طرف اتر پردیش کے ضلع کماؤں کے انگریز افسروں کو جن کی سرحدیں صرف پندرہ بیس میل دور تھیں پہنچ رہی تھیں اور ڈوگرہ جرنیل کی بہادری نے ان سب کو چوکنا کر دیا تھا۔ جرنیل نے گر سے منسر کی طرف رخ کیا۔ منسر کے لوگوں نے ڈوگرہ جرنیل کی اطاعت قبول کر لی۔ اس مقام سے جھیل مانسرور کا فاصلہ ایک پڑاؤ کے قریب تھا۔ منسر کے آگے راستہ تین نالوں سے گزرتا ہے۔ اس مقام کا نام ٹوکیو رل ہے۔ چنانچہ ڈوگرہ جرنیل نے اپنی سپاہ کے ساتھ یہاں پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے اور شام کو وزیر نے اپنے کیمپ میں لداخی۔ بلتی۔ پورنگی اور ڈوگرہ سپاہ کے چیدہ چیدہ سرداروں کے ساتھ آگے

بڑھنے کے لئے کانفرنس کی اور صلاح ومشورہ کیا کہ جھیل مانسرور اور کیلاش پربت کے مقدس تیرتھوں پر سرکار جموں کا جھنڈا لہرانے کے لئے ہمیں نہایت ہوشیاری اور تدبر سے کام لینا ہوگا تاکہ ہندوستان کے ان مشہور اور متبرک استھانوں اور تیرتھوں کو حاصل کرنے کے لئے انسانی قتل وخون نہ ہو۔ اور ان کی تقدیس پر حرف نہ آئے۔ لداخی فوج کے ایک سرکردہ افسر نے کہا۔ کہ ابھی کیلاش پربت اور جھیل مانسرور ایک دن کا راستہ ہے۔ اس سے پہلے ہمیں اُس فوج سے نپٹنا ہوگا جو لہاسہ کی طرف سے پورانگ کی سرحد پر تعینات ہے۔ اگر اس فوج نے مزاحمت نہ کی اور کچھ عقل سے کام لیا تو یقیناً ہم بغیر کسی کُشت وخون کے جھیل پر پہنچ جائیں گے۔ اِس جھیل کا نام "سوموما پھم" ہے۔ یہ اس کا ملکی نام ہے۔ بزرگوں سے سُنا ہے کہ جب راجہ مان دھاتا نے ہندوستان سے آکر یہاں اپنے جھنڈے گاڑے اور اہلِ ہند کے لئے اس کی تیرتھ یاترا کھولی گئی تو اس کا نام "مانسرور" رکھا گیا۔ اب صدیوں بعد آپ کا آنا ادھر ہُوا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ دو دن تک ہم سوموما پھم پر پہنچ جائیں گے۔

جھیل مانسرور (سوموما پھم) اور کیلاش پربت کے گھیرے کے متعلق مختلف کتابوں میں مختلف روایات درج ہیں۔ سوموما پھم کا گھیرا یعنی چکّر اصل میں زیادہ نہیں ہے۔ ایک آدمی یا پیادہ تین روز میں اس کا طواف آسانی سے کر سکتا ہے اور کیلاش پربت جو اس جھیل کے عین اُوپر واقع ہے وہ بھی بہت لمبا نہیں ہے، ایک روز میں انسان اس کا بھی طواف کر سکتا ہے۔

تبتی فوج کا شب خون

شام کے دھندلکوں میں کانفرنس ختم ہوئی۔ وزیر زور آور سنگھ نے دوسرے دن صبح

ہی مارچ کرنے کا حکم دے دیا۔ مئی کا مہینہ اور موسم میں کوئی زیادہ خنکی بھی نہ تھی۔ ڈوگرہ سپاہ کا ہر فرد خوش تھا کہ یہ انے اور مشہور تیرتھوں کی یاترا بھی ہو جائے گی اور اُنہیں اپنے قبضہ میں بھی کر لیا جائے گا کہ آدھی رات کو سوتے ہیں لہاسہ کی فوج متعینہ سرحد پورانگ نے ڈوگرہ فوجی کیمپ پر زبردست شب خون مارا۔ وزیر کی سپاہ بے خبری میں تھی۔ سخت ابتری پھیل گئی۔ رات کی اندھیاری میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ یہاں تک کہ ڈوگرہ پلٹن اور لداخی سپاہی آپس میں ہی گتھم گتھا ہونے لگے۔ مگر ڈوگرہ جرنیل زرہ بکتر میں ملبوس اپنے خیمے سے باہر نکل آیا اور بلند آواز میں اپنی سپاہ کو پکارا کر "جموں راج کی جے اور سیتلا ماتا کی جے کا نعرہ ہر ایک سپاہی لگاتا چلے اور دُشمنوں سے دست بدست ہو کر نپٹے تاکہ اس اندھیاری میں تم سب کو دُشمن اور دوست کی پہچان ہو سکے۔ تین چار گھنٹے سخت خون ریز جنگ ہوئی۔ اور جب پَو پھٹنے کو تھی تو لہاسی فوج بھاگنے لگی۔ ڈوگرہ فوج نے لہاسی جھنڈا چھین لیا۔ اِس جھنڈے پر ایک خونخوار چیتے کی تصویر ہے جو کہ آج بھی ڈوگرہ افواج کے پاس اُس فتح کی یادگار کے طور محفوظ ہے۔

اِس طرح وسط تبت کا علاقہ پورانگ بھی جموں راج کے تحت آ گیا۔ اور تیسرے دن جب جرنیل زورآور سنگھ اپنی بہادر فوج کے ساتھ جھیل مانسرور پر پہنچا تو راستہ میں کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ جھیل پر جرنیل کی فوجوں نے چند دن قیام کیا۔ ایک بڑا بھاری جشن بھی ہوا۔ جشن میں گاڈریوں اور دوولیخوں نے جنگی باریں اپنی کینگوں اور سارنگیوں پر سُنائیں اور کیلاش پربت اور مانسرور پر ڈوگرہ جھنڈا گاڑنے کی بار "جھنڈا امان تلا تبیا یہ جائی لانا فی البدیہ" ڈوگری میں منظوم اِس لے اور دُھن سے سُنائی کہ ڈوگرہ سپاہ تبت کے دارالخلافہ لہاسہ پر

فوج کشی کے لئے بے قرار ہو اٹھی ۔

جھیل مانسرور اور کیلاش پربت جب جموں راج کے اقتدار میں آ گیا اُس دن سے مانسرور کو ڈوگری الفاظ میں "مان تلائی" سے یاد کیا جاتا ہے اس جھیل کا اصلی نام "سومو ما پھم" ہے۔ جب راجہ مان دھاتا نے اِس پر تصرف کیا تو جھیل کا نام "مان سرور" مشہور ہوا۔ اور جب جرنیل زور آور سنگھ نے اِسے پھر سے ہندوستان کا حصّہ بنایا تو اِسے ڈوگری میں "مان تلائی" کہا جانے لگا۔

مہاراجہ نیپال کا پیغام

کرتونگ اور پورانگ پر اپنا قبضہ جمانے کے بعد وزیر علاقہ پورانگ کے صدر مقام تفلاکھر کی طرف بڑھا۔ یہاں تبتی فوج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن وزیر نے اُسے کمر توڑ شکست دے کر بھگا دیا اور تفلاکھر میں اپنے ڈیرے ڈال لئے ۔ جابجا ڈوگرہ اور لداخی افواج حفاظت کے لئے تعینات کردی گئیں - مہتہ بستی رام اور وزیر انبارا پورانگ میں تھے ۔ رحیم خاں راجہ تکیجہ معہ اپنے داماد غلام خاں کے سپیتی میں مامور تھا۔ اس طرح جموں راج کی سرحد کو نیپال اور برٹش راج کے صوبہ اُتر پردیش کے ضلع کماؤں کے ساتھ ملالیا تھا۔ تفلاکھر سے ضلع کماؤں اور نیپال کی سرحد پندرہ بیس میل کے فاصلہ پر رہ گئی تھی۔ پورانگ کی فتح سے جموں اور نیپال کی سرحدیں مل گئی تھیں۔ مہاراجہ نیپال نے اپنا ایک معتمد معہ ایک سو بیس سپاہیوں کے وزیر کے پاس بھیجا اور کہا کہ اب تک جو غائبانہ تعلقات یگانگت جموں اور نیپال کی سرکاروں کے درمیان موجود ہیں اب وہ حسنِ اتفاق سے ہمسائیگی کی حد تک پہنچ گئے ہیں۔ آئندہ دونوں سرکاروں کو رسوم اتحاد و یک جہتی کا پورا

لحاظ رکھنا چاہئے۔ لیکن وزیر زور آور سنگھ نے نیپال سرکار کے ساتھ تعلقات پیدا کرنا قرین مصلحت نہیں سمجھا۔ معتمد نیپال کو چند روز اپنے پاس رکھا۔ اور خاطر مدارت کے بعد ہر طرح سے اطمینان دلا کر اُسے رخصت کر دیا۔ اُدھر مسٹر جارج رسل کلارک برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ مقیم لدھیانہ نے مہاراجہ شیر سنگھ والئے لاہور کو لکھا۔ انگریزی حکومت نیپال کے ساتھ جموں کے براہ راست تعلقات پیدا ہونے کی صورت میں کسی بھی غلط فہمی کے لئے لاہور دربار کو بری الذمہ قرار نہیں دے گی۔ یہ واقعہ ۱۸ ستمبر ۱۸۴۱ء کا ہے۔

انگریزی سرکار کا مشورہ

سردیاں جوبن پر آرہی تھیں۔ ڈوگرہ جرنیل کی لہاسہ کی طرف پیش قدمی سے انگریزی سرکار کو تشویش ہو رہی تھی کہ سرکار انگلشیہ کے معتمد کیپٹن الگزینڈر کننگھم نے زور آور سنگھ کو صورت حالات پر بات چیت کی دعوت دی۔ وزیر نے مہتہ بستی رام اور کالو رام جمعدار کو سرکار انگریزی کی سرحد پر کننگھم صاحب کے پاس بھیجا۔ جس نے ازراہ دوستی مہتہ بستی رام کو سمجھایا کہ موسم سرما آرہا ہے۔ ڈوگرہ افواج صدر مقام لداخ سے بہت دُور چلی آئی ہیں۔ اِن حالات میں رسد رسانی کا انتظام بھی مشکل ہو جائے گا۔ اگر تبت کی تسخیر کا ارادہ ہی ہے تو بہتر یہ ہے کہ آئندہ بہار تک انتظار کیا جائے۔ چنانچہ وزیر نے کننگھم کے اس مشورہ کو بے حد پسند کیا۔ اور ناموافق موسمی حالات کو ملحوظ رکھ کر پیش قدمی روک دی۔ اور مہتہ بستی رام کو قلعہ تقلاکھر میں چھوڑ کر معہ اپنی بیوی کے ڈونپہ خوشق کی تیرتھ یاترا کے لئے چلا گیا۔ یہ تیرتھ قلعہ تقلاکھر سے ایک پڑاؤ پر دریائے گھاگھرہ کے بائیں کنارے واقع ہے۔ دو چار روز وزیر نے قیام کیا اور پھر پورانگ واپس آگیا۔

پُرانی سرحد کی نشان دہی

پورانگ میں واپس آکر وزیر نے چند ایک سپاہی نیپال کی سرحد پر بموجبات حدبندی کے ملاحظہ کے لئے بھیجے۔ جنہوں نے اطمینان دلایا کہ پُرانی سرحد پر ایک بڑا اُونچا پتھر ہے جس کے ایک طرف بحروف ناگری اور دُوسری طرف بحروف تبتی لکھا ہُوا ہے۔ جو سرحد قدیم الایام سے چلی آتی ہے اُس میں کسی نے کوئی دست اندازی نہیں کی ہے۔

لداخ کو واپسی کا ارادہ

تو جرنیل زور آور سنگھ اپنے لشکر کے اندرُونی انتظامات کی طرف متوجہ ہُوا۔ جو ذخیرہ رسد اُس کے ساتھ تھا ختم ہونے لگا۔ لداخ کے سوا اور کسی طرف سے اُس کی سپلائی کی صورت نہ تھی۔ فاصلہ دُور دراز۔ راستہ غیر آباد۔ سخت سردی کا موسم۔ جرنیل کو غالباً یہ خیال تھا کہ اِس موسم اور حالات میں پیش قدمی مناسب نہیں۔ اور نہ ہی دُشمن کی طرف سے حملہ کا کوئی خطرہ ہے۔ اُس نے واپس لداخ جانے کا پروگرام بنا لیا اور چند ہمراہیوں اور اپنی بیوی کو لے کر جھیل مانسرودر کے راستہ لداخ کو روانہ ہو پڑا۔

جرنیل زور آور سنگھ نے ریاست جموں کی طاقت کو دریائے سندھ اور ستلج کے منبع سے گزار کر وادی گھاگھرا کے بالائی حصہ میں پہنچا دیا تھا۔ اور جموں کی حدُود کو نیپال کی سرحد کے ساتھ ملا دیا تھا۔ کیلاش پربت اور جھیل مان سرودر کے متبرک مقامات اُس کے قبضہ میں تھے اور ہمالہ کی طرف جموں کی سرحد مریوم لا تھی۔ جو کہ پُرانے راجگان لداخ کے زمانہ میں لہاسہ اور لداخ کے درمیان حد فاصل رہی ہے۔ اِس طرح دریائے برہم پُتر کا منبع بھی اُس کے اقتدار میں تھا۔ دُوسرے الفاظ میں جرنیل نے جموں کی حکومت کو دُنیا کے

اُس مقام تک پہنچا دیا تھا۔ جہاں سے ہندوستان کے ذیل کے چار مشہور دریا نکلتے ہیں۔ (۱) سنگے کھابب (شیر دہن) یعنی دریائے سندھ۔ (۲) لنگ چھن کھابب (فیل دہن) یعنی دریائے ستلج۔ (۳) میپٹرا کھابب۔ (مور کی چونچ) یعنی دریائے گھاگرہ۔ (۴) اسناچھوک کھابب (اسپ دہن) یعنی دریائے برہم پُتر۔

اس کامیاب فاتح کے اوج و اقبال کا ستارہ ترقی کے انتہائی درجہ پر پہنچ گیا تھا۔ جس عالی ہمت اور بلند حوصلہ سے وہ فتح وظفر کا پھریرا اُڑاتا ہوا اسورو سے لداخ اور لداخ سے اسکردو اور اسکردو سے پورانگ پہنچا تھا اسی ہمت مردانہ کے ساتھ سرکار جموں کے جھنڈے پر جان قربان کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

عظیم جرنیل اور ڈوگرہ فوج کی تباہی

لہاسہ کی طرف وزیر زورآور سنگھ کی متواتر پیش قدمی کی خبریں لہاسہ میں پہنچ رہی تھیں۔ اور اُس کی مدافعت کا انتظام وہاں زور شور سے ہو رہا تھا اور وزیر مانسرودر کی یاترا کر کے دو ایک پڑاؤ لداخ کی طرف نکل گیا تھا کہ ۷ نومبر ۱۸۴۱ء کو اُسے اچانک خبر پہنچی کہ لہاسہ کی فوج آ گئی ہے۔ وزیر نے سُنتا تو اپنی غیر معمولی دلاوری کے سبب جوش میں آ گیا اور اُس نے فی الفور تین سو سپاہیوں کا ایک دستہ نو نو صنم کی سرکردگی میں قلعہ کرتونگ کی طرف انبار اٹھانے والا کی امداد کے لئے بھیج دیا اور اپنی بیوی کو جو اُس کے ساتھ تیرتھ یاترا کے لئے آئی تھی۔ لداخ کو روانہ کر دیا۔ اور خود اپنی فوج کو اکٹھا کر کے تبتی فوج کے مقابلہ کی تیاری میں جُٹ گیا۔ ابھی وزیر اسی انتظام میں مصروف تھا کہ اسے اطلاع

ملی کہ کرزونگ کی فوج معہ اپنا دانتھا نیدار اور امدادی فوج کے دشمن کے ہاتھوں ہلاک ہوگئی ہے۔ خود نونو صنم جیبر دکوتوال کے ساتھ وزیر کے پاس پہنچا تو وزیر نے چھ سو جوان نونو صنم۔ غلام خاں۔ میاں سنگھ۔ بھوپا کوتوال اور میاں سنگارا کے ماتحت دے کر فوج لہاسہ کی مدافعت کی غرض سے بھیجے۔ اور ۱۹ نومبر کو اُن کے پیچھے خود تمام تر فوج لے کر میدان کالرداہ کی طرف بڑھا۔ لیکن ابھی وُہ پہلے دستہ کے ساتھ ملنے نہ پایا تھا کہ خبر ملی کہ دشمن نے پہلے دستہ کے تمام سپاہی ختم کر دیئے ہیں۔ جو تھوڑے سے بہت بچے وہ گرفتار کر لئے گئے۔ ان میں نونو صنم اور غلام خاں بھی شامل تھے۔

زورآور سنگھ کی کمان میں کُل دو ہزار فوجی جوان تھے۔ اُس کے مقابلہ میں لہاسہ کی فوج دس ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ دو ہزار فوجی یارقند میں ڈوگروں پر حملہ کرنے کے لئے تیار بر تیار تھے۔ سردی کی شدت بدرجہ کمال تھی۔ رسد کا انتظام بھی خاطرخواہ نہ تھا۔ باوجود ان تمام مشکلات کے وزیر نے لہاسہ کی فوج کو حقیر جانتے ہوئے اپنا حوصلہ بلند رکھا۔ اُسے اپنی طاقت پر ناز تھا۔ وہ ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے اور اُس پر فتح پانے کے لئے پیدا ہوا تھا۔ لیکن برف باری کا طوفان اُس کے لئے بہت مصیبت کا سبب بنا۔ وزیر نے تکلاکوٹ کے قلعے کی حفاظت کے لئے ۱۵۰ آدمیوں کی ایک جمعیت مہتہ بستی رام کے تحت تعینات کی۔ کردام کوٹ کے قلعہ کی حفاظت کے لئے ۱۰۰ آدمی بھیجے۔ باقی ماندہ فوج کو لے کر وزیر زورآور سنگھ شیر ببر کی مانند دشمن پر پنجہ ڈالنے کے لئے آگے بڑھا۔ وزیر نے دیکھا کہ دشمن کے پاس اُس سے چھ سات گُنا فوج ہے اُس نے نپولین کے فارمولے پر عمل کیا کہ "بچاؤ کا بہترین طریقہ حملہ ہے"۔ اُسے اپنے آقائے نامدار گلاب سنگھ کے الفاظ یاد آ گئے۔ جب سکھ افغان جنگ میں سردار ہری سنگھ نلوہ کو گلاب سنگھ نے کہے تھے کہ دشمن کی طاقت کی موجودگی میں سکھوں کا بچاؤ افغانوں پر حملہ کرنے میں مضمر ہے"۔ چنانچہ کرتونگ اور نغدالکھر کے

درمیان طویو ناجی مقام پر ۱۰ ردسمبر ۱۸۴۱ء کو طرفین کے لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف سے گولی چلنی شروع ہوئی تین دن تک سخت لڑائی جاری رہی۔ دونوں طرف کے بہادروں نے دادِ مردانگی دینے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ تیسرے دن وزیر نے اپنے جوانوں کو بھرپور حملہ کرنے کا حکم دیا اور بذاتِ خود اپنی سپاہ کا حوصلہ بلند کرنے کے لئے میدانِ کارزار میں کود پڑا۔ قریب تھا کہ لہاسہ کی فوج کے پاؤں اُکھڑ جائیں۔ لیکن واہ رے شوئے قسمت! اقبال کا ستارہ نحس میں چلا گیا تھا۔ نہ ٹلنے والا وقت قریب آ گیا تھا۔ وزیر کی داہنی ران میں دشمن کی گولی لگی۔ وہ بے خبر میدان گھوڑے سے گر گیا۔ دشمن نے یہ دیکھ کہ اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا اس حالت میں بھی اُس نے اپنی تلوار نہیں چھوڑی۔ جو بھی اُس کی زد میں آیا اُسے تہ تیغ کیا۔ جب دشمن کو یہ یقین ہو گیا کہ اِس زخمی شیر کا پکڑا جانا بہت مشکل ہے تو ایک آدمی نے وزیر کی پُشت کی طرف جا کر دونگ گھما کر چلایا۔ دونگ ایک قسم کا نیزہ ہے جو چار فٹ کے قریب لمبا ہوتا ہے۔ اُس کے دونوں کناروں پر تیز پھل لگے ہوتے ہیں اور درمیان میں رسّی بندھی ہوتی ہے۔ اِس رسّی کو پکڑ کر اِس ہتھیار کو سر سے اُوپر گھمایا جاتا ہے۔ جب وہ زور میں آ جائے نیزہ سیدھا نشانہ پر جا بیٹھتا ہے۔ یہ دونگ وزیر زور آور سنگھ کی پیٹھ پر لگا اور سینہ کو پھاڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ اِس زخم کاری سے بھارت کا بہادر اور عظیم جرنیل شمشیر بکف میدانِ کارزار میں شہید ہوا۔ یہ واقعہ ۱۲ دسمبر ۱۸۴۱ء کا ہے۔

وزیر زور آور کی فتوحات نے لہاسہ والوں کے دلوں پر سخت دہشت بیٹھا رکھی تھی۔ وہ اُسے ایک غیر معمولی انسان خیال کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ وزیر کے مارے جانے پر اُس کا خون اور گوشت متبرک لہاسہ والوں نے اپنے درمیان تقسیم کیا۔ اور اُس کا سر کاٹ کر اپنے ساتھ لے گئے جسے ایک عالیشان چبوترہ

تعمیر کر کے رکھا گیا۔ یہ چھورتن آج تک موجود ہے۔ اور ایک ٹکڑا اُس کے گوشت کا گونبہ تُشی گانگ میں رکھا ہوا ہے۔ ان متبرکات کے سامنے اوقات معینہ پر بودھوں کے طریق کے مطابق عبادت کی جاتی ہے تاکہ وزیر سود گیاشی کی روح کسی دُوسرے جنم میں انسانی لباس دھار کر ملک لہاسہ کی تباہی کا باعث نہ ہو۔ یہ چھورتن آج بھی وزیر زور آور سنگھ کی فتح لہاسہ کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ کئی مورخین نے لکھا ہے کہ وزیر کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور لہاسہ کی فوج کے افسر ان ٹکڑوں کو اپنے اپنے گھر لے گئے اور اُنہیں اپنی چھتوں سے لٹکا دیا۔

وزیر کے مارے جانے پر ڈوگرہ فوج کی کمر ٹوٹ گئی اور جس طرف جسے راستہ ملا بھاگ نکلا۔ فوج لہاسہ نے تعاقب کر کے سخت کشت وخون کیا۔ ایک ہزار کے قریب جوان تبتیوں نے اسیر کر لیئے۔ اور ڈیڑھ ہزار کے قریب آدمی لداخ واپس پہنچے جس میں ڈوگرہ جوان ایک سو سے زیادہ نہ تھے۔ ڈوگرہ سپاہ نے یہ لڑائی کمال صعوبت اور سختی کی حالت میں کی تھی۔ میدان جنگ سطح سمندر سے پندرہ ہزار فٹ سے زیادہ بلند۔ شدت کی سردی۔ اس سردی کے موسم میں وہاں درجہ حرارت نقطہ انجماد سے اُوپر نہیں پہنچتا۔ اور رات کے وقت اتنی سردی ہوتی ہے کہ اُسے وہی لوگ برداشت کر سکتے ہیں۔ جو اس کے عادی ہیں اور جن کے اردگرد آگ سے دہکتی ہوئی انگیٹھیاں جل رہی ہوں اور کتنی ہی راتیں ڈوگرہ فوج آسمان تلے بسر کرتی رہی۔ سرد ہوا کی شدت کا نشانہ بنی رہی۔ اکثر سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں کی اُنگلیاں سردی کی شدت سے گل گئی تھیں اور کم و بیش سب کے سب کہر اور سردی کے مارے ہوئے تھے۔

لکڑی کا یہاں نام ونشان نہیں کہ انسان تاپ کر جان بچائے۔ جلانے کے لیئے خاردار جھاڑی کے سوائے کچھ میسّر نہیں ہوتا ہے۔ یہ جھاڑی گیلی اور

سوکھی یکساں جلتی ہے۔ جب تک جلتی ہے اس میں آنچ رہتی ہے۔ جلنے کے بعد راکھ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ سردی کی سختی اس درجہ تک پہنچ گئی تھی کہ بعض سپاہیوں نے اپنی بندوق کا کُندہ جلا کر اپنی جان بچائی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ رسد بھی ختم ہو چکی تھی اور آخری دو روز کھانے کے لئے بھی کچھ باقی نہ رہا تھا۔ باوجود ان تمام مصائب کے اس جانباز فوج نے دشمن کے مقابلہ سے آخر وقت تک منہ نہیں موڑا۔ حتیٰ کہ آخری جانکاہ دن پر اُن کی نصف تعداد بھی اس قابل نہ تھی کہ اپنے اسلحہ کا دُرست طور پر استعمال کر سکتے۔

جب قلعہ تغلاکھر میں اس تباہی کی خبر پہنچی تو مہتہ بستی رام سب کے سب فوجی چنگ لاؤ چھے لا کے راستے الموڑہ کی طرف نکل گئے۔ بگو بیدری اور برف کی وجہ سے سپاہیوں کی تقریباً نصف تعداد راہ میں ہی ختم ہو گئی اور باقیوں میں سے اکثر کے ہاتھ پاؤں سردی سے گل گئے۔ غرضیکہ اس تمام لشکر میں سے یہی چند آدمی زندہ بچے جو الموڑہ کے راستے جموں پہنچے یا جنہیں قلعہ تدارخ تک پہنچنے میں کامیابی ہوئی۔

تبت کو خالی کرانے کی انگریز سفارش

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ جب جرنیل زور آور سنگھ نے تبت پر چڑھائی کی تو انگریزی حکومت بے چین سی ہو گئی۔ چنانچہ اُس نے مہاراجہ شیر سنگھ والئے لاہور کو لکھا کہ وہ راجہ گلاب سنگھ سے لہاسہ کے علاقے خالی کرا دینے کی سفارش کرے۔ اس کام کو پورا کرنے کے لئے آخری تاریخ ۱۰ دسمبر ۱۸۴۱ء مقرر کی گئی اور کپتان الگزینڈر کننگھم کو جو کہ انگریزی ایجنٹ کا اسسٹنٹ تھا منتخب کیا گیا کہ وہ تبتی علاقہ کو خالی کرا دینے کے لئے ایک مشاہد کے طور پر وہاں جائے لیکن قبل اس کے کہ جرنیل زور آور سنگھ

گویا احکام علیم اُس پر مصیبت کا طوفان نازل ہو چکا تھا۔

ڈوگرہ فوج کے جن آفیسروں کو جنگ طویو میں وزیر زورآور سنگھ کی عظیم شہادت کے بعد تبتیوں نے گرفتار کر لیا وہ حسب ذیل اشخاص تھے :۔

(۱) میاں رائے سنگھ سپہ سالار دوم (۲) سیدا گنگ ستوبان کالون بزگو۔ (۳) نونو صنم برادر کالون بزگو (۴) راجہ احمد شاہ معزول راجہ اسکردو ۔۔۔ (۵) غلام خان راجہ بھجوت (۶) موروپ سٹنزن (۷) اجوگونپو۔ یہ سب قیدی لہاسہ کو بھیج دیئے گئے۔ اور تبتی فوج نے نارس کورسوم اور گر کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ تبت کی مہم میں ایسی تباہ خیز ناکامی یہاں تک ہی محدود نہ رہی کہ تبت کے علاقے جموں سرکار کے ہاتھ سے جاتے رہے بلکہ جموں سرکار کے خلاف لداخ اسکردو بلستان میں ہمہ گیر بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے۔

جگسمت نمگیل کی خودمختاری کا اعلان

تبتی حکومت نے اپنے سپہ سالار پی شی شاٹا کو حکم دیا کہ لداخ ڈوگروں سے خالی کرا کر وہاں کے راجہ جگسمت نمگیل کی خودمختار حکومت کا اعلان کیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۴۲ء کے آغاز میں وہ صوبہ گر کی طرف سے تقریباً تین ہزار لہاسی فوج لے کر لداخ کی طرف روانہ ہوا۔ اور رات کے وقت لیہ میں پہنچ کر تنڈوپ نمگیل کے پوتے جگسمت نمگیل کو جسے وزیر زورآور سنگھ نے بجائے اُس کے دادا کے خطابی گیالپو لداخ تسلیم کیا تھا، خودمختار قرار دے دیا۔

لداخ میں ڈوگرہ فوج کے دو حصے تھے۔ کچھ آدمی مگنا تھانیدار کی ماتحتی میں قلعہ کے اندر رہتے تھے۔ اور باقی فوج کمیدان پہلوان سنگھ کے زیر حکم کرفنو باغ میں مقیم تھی۔ جب کمیدان نے دیکھا کہ گیالپو کے محل میں فوج جمع ہو رہی

ہے۔ تو وہ منفصل قلعہ اصطبل میں چلا آیا اور اس اصطبل کی عمارت کو مضبوط کرنے لگا، تاکہ وہاں سے مدافعت کی جا سکے۔ اور ایک رات لداخی باغیوں نے لہاسی فوج سے مل کر قلعہ اور چھاؤنی اصطبل میں ڈوگرہ فوج کو تباہ کرنے کے لئے حملہ کر دیا۔ چھاؤنی اور قلعہ کے اندر سے ڈوگرہ فوج نے زبردست مقابلہ کیا۔ اور جب صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو مگنا تھانہ دار قلعہ کے اندر سے اور کمیدان پہلوان سنگھ چھاؤنی سے فوج لے کر باہر نکل آئے اور محاصرین پر ٹوٹ پڑے۔ دست بدست لڑائی کی نوبت پہنچ گئی۔ اس میں لداخی شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ بیشمار لداخی اور تبتی مارے گئے۔ جب لداخ میں یہ ہنگامہ جاری تھا تو ملبہ میں مقیم ڈوگرہ سپاہیوں کو کالون ملبہ نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسی طرح پسری کھر کے ڈوگرہ سپاہی بھی راجہ سوت نے تہ تیغ کر دیئے۔ سورو کر تسے میں بھی یہی حالت ہوئی۔ راجہ پشکم نے پشکم کے قلعہ کے ڈوگرہ سپاہیوں کو قید کر لیا۔ اُدھر بلتستان میں بھی بغاوت ہو گئی۔ اسکردو کے تھانیدار بھگوان سنگھ کو معہ اُس کی فوج کے علی خاں راجہ روندو۔ دولت علی خاں راجہ کھپلو۔ خرم خاں راجہ کرس اور اسکردو کے معزول راجہ احمد شاہ کے معتبران نے قید کر لیا اور بلتستان میں ڈوگرہ حکومت کا کوئی نشان نہ چھوڑ کر حیدر خاں معتبر راجہ احمد شاہ نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ غرضیکہ بلتستان اور لداخ کے تمام فرسنے جموں راج سے خودمختار اور باغی ہو گئے۔ جن کا الحاق وزیر زور آور سنگھ نے جموں سے کیا تھا۔

لداخ کی دوسری مہم

لور آور سنگھ کی ہلاکت کی خبر مہاراجہ گلاب سنگھ کو اُس وقت پہنچی جب کہ وہ انگریز افغان جنگ میں لاہور دربار کی طرف سے جرنیل کے طور انگریزوں کو درہ خیبر کے پار پہنچانے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ گلاب سنگھ اِس روح فرسا خبر کی تا

خلاصہ کا۔ اور اس نے انگریزی مجسٹریٹ لارنس سے ۱۷ فروری ۱۸۴۲ء کو درخواست کی کہ اس تباہی اور زورآور سنگھ کی موت کی خبر عام نہ کی جائے۔ کیونکہ اس سے اس کی اپنی سپاہ میں بغاوت رونما ہو جانے کا خدشہ ہے۔ جو کہ اس وقت بالواسطہ یا بلاواسطہ انگریزوں کی امدادی ہے۔ چنانچہ گلاب سنگھ نے دیوان جوالا سہائے کو حکم دیا کہ "ایک تازہ دم فوج تیار کر کے دیوان ہری چند اور وزیر رتنوں کی سرکردگی میں فی الفور لداخ بھیجی جائے۔ اور جوں ہی میں اس محاذ سے فارغ ہوتا ہوں مجھے بھی لداخ پہنچا سمجھیں۔ تاکہ جہاں تک وزیر زورآور سنگھ نے جموں لداخ کی حدود قائم کی تھیں، وہاں تک ہم علاقہ جموں کے ساتھ شامل کر سکیں۔" اور کہ اس کام کو پورا کر سکیں جو کہ زورآور سنگھ کی موت سے درہم برہم ہو چکا ہے۔

تو دیوان ہری چند اور وزیر رتنوں کی سرکردگی میں چھ ہزار جوان نالہ چراد اوڈی کے راستہ کشمیر پہنچے۔ یہ فوج زورآور سنگھ کی فوج سے بھی بڑھ کر منتظم تھی۔ سکھ گورنر کشمیر شیخ غلام محی الدین نے انتظامات باربرداری اور سامان رسد وغیرہ میں امداد کی۔ اور ہر روز پانچ سو جوان روزانہ لداخ کے لئے جانے لگے۔ کشمیر میں پندرہ یوم قیام کرکے وزیر رتنوں نے جو کہ اس مہم کا سپہ سالار دوئم تھا۔ پہلے دن لداخ کیلئے مارچ کیا۔ اور دوسرے دن خود دیوان ہری چند سپہ سالار افواج ڈوگرہ عازم لداخ ہوا اور پہاڑ پر پڑاؤ مارتا ہوا دراس پہنچا۔ راستہ برف سے اٹا پڑا تھا۔ جس جگہ برف سے خالی نہ تھی۔ دراس سے کرگل اور کرگل سے لداخ تک جتنے قلعے اور علاقے راستہ میں پڑتے تھے سب پر قبضہ کرتے ہوئے دیوان ہری چند نے جابجا جموں سرکار کا جھنڈا گاڑ کر لوگوں سے اطاعت قبول کرائی۔ مختصراً یہ کہ کرگل کے نزدیک دشمن نے بہت سے مورچے بنا رکھے تھے جن کو سر کرنے کے لئے دیوان نے ہر چند کوشش کی۔ مگر پہاڑوں پر برف کی وجہ سے راستہ ناقابل عبور تھا۔ ایک ماہ کے انتظار کے بعد

جب برف تدرے پگھل گئی تو تین ہزار جوانوں کو لے کر جمعدار رام سنگھ براستہ چھانگمنڈ پہاڑ کی چوٹی پر بھیجا گیا۔ دیوان ہری چند وزیر رتنوں اور تمام فوج بید ھے راستہ سے کھرل پہنچی۔ اس مورچہ پر کرگل کی فوج سے ڈوگروں کا مقابلہ ہوا۔ اور مورچہ سر کر لیا گیا۔ دشمن بھاگ گیا اور اس کے آگے دیوان ہری چند نے راستہ میں لیپری کھر اور پشکم کے قلعوں کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا اور سڑک کے کنارے تمام علاقوں کا انتظام کرتے ہوئے دیوان آگے بڑھتا گیا۔ ملبہ اور ملاوک کھر کے قلعوں کو بھی جلا کر باغیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ راستہ میں محمد علی خاں راجہ پشکم جو لداخ سے واپس آ رہا تھا ڈوگرہ فوج کے مقابلہ پر اُتر آیا۔ لیکن اُس کی ساری فوج ماری گئی۔ صرف ایک آدمی جان بچا کر بھاگ نکلا۔

جب ڈوگرے کھلسی کے پل پر پہنچے تو اُس کے تختے اُکھڑے ہوئے پائے گئے۔ اس پل کو دو ایک روز میں درست کر کے ڈوگرہ فوج نے دریا عبور کیا۔ کھلسی کے آگے لداخ جانے کے دو راستے ہیں۔ ایک بالائی جو تنگ موگانگ سے ہوتا ہُوا بزگو میں اُترتا ہے۔ اور دُوسرا نچلا راستہ جو دریا کے کنارے کنارے نولالا اور سپبول سے گزر کر بزگو پہنچتا ہے۔ بزگو کے آگے یہ راستہ ایک تنگ نالہ سے گزرتا ہے جسے اگر دُشمن روک لے تو گزر محال ہے۔ اس کا انتظام کرنے کی اور قلعہ تنگ موگانگ کو جو کہ لداخ کے تمام قلعوں میں ایک مستحکم قلعہ سمجھا جاتا تھا کو اپنے تصرف میں لانے کے لئے فوج کے دو حصے کئے گئے۔ وزیر رتنوں دریا کے کنارے کنارے نچلے راستہ سے سیدھا بزگو روانہ ہوا۔ اور دیوان خود بالائی راستے تنگ موگانگ قلعہ پر حملہ آور ہوا۔ اور اس قلعہ کو تباہ کر کے آگے بڑھا اور بزگو کے مقام پر وزیر اور دیوان دونوں مع اپنی افواج کے مل گئے اور بزگو سے لداخ کی طرف روانہ ہو گئے۔

لداخ میں کمیدان پہلوان سنگھ اور مگنا تھانیدار قلعہ اور چھاؤنی میں ڈٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے لداخی اور تبتی فوج کو کافی سبق دیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ ڈوگرہ فوج مقیم لداخ پر حملہ کی تیاری میں مصروف تھے قبل اس کے کہ وہ کوئی کارروائی کرتے، دیوان ہری چند کے لشکر کی آمد آمد کی خبر لداخ میں مشہور ہوگئی۔ جب دیوان لیہہ کے قریب پہنچا تو تبتی فوج لداخ کے محل شاہی سے نکل کر بجائے حملہ کرنے سرحد لہاسہ کی طرف واپس ہوگئی۔ اُس کے ساتھ ہی اُس کا بنایا ہوا گیالپو جگمت نمگیل بھی معہ اپنی والدہ کے چھ ہفتے کی حکومت کے بعد لہاسہ کی طرف بھاگ گیا۔ اور لداخ کا شاہی محل جو باغیوں کا مرکز تھا۔ بالکل خالی ہوگیا۔

دیوان نے لیہہ پہنچ کر چھاؤنی کے نزدیک اپنا جھنڈا نصب کر دیا اور پہلوان سنگھ اور مگنا تھانیدار کی بہادری اور مردانگی کی داد دی۔ دو چار دن کے بعد زانسکار کی بغاوت فرد کرنے کے لئے ایک چھوٹا سا دستہ فوج کا میاں جواہر سنگھ کی سرکردگی میں زانسکار روانہ کیا۔ اور لداخ کے شاہی محل کو مال و جائداد سے خالی کر کے سارا سامان قلعہ میں بھیج دیا۔ اور باغیوں کو مناسب سزا دی۔ اور اس طرح دیوان ہری چند نے لیہہ پر مکمل قبضہ کر لیا۔ کشمیر سے جو باربرداری لشکر کے ساتھ آئی تھی اُسے مزدوری اور انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ اور لداخ کے اکثر رئیسان کو اعزاز و اکرام سے سرفراز کیا۔ اور آس پاس کے علاقوں میں انتظام کی غرض سے دیوان نے اپنے اہلکار بھیجے۔ لیکن تبتی فوج ڈوگرہ افواج کی آمد پر ٹیوک کی طرف بھاگ نکلی تھی۔ یہ سب خبریں حکام تبت کو متواتر پہنچ رہی تھیں۔ تاہم اہلِ تبت بغیر جنگ کئے اطاعت قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ حکام

لاسہ نے پانچ ہزار جوانوں پر مشتمل ایک زبردست فوج لداخیوں کی امداد کے لئے روانہ کی۔

آخری اور فیصلہ کن جنگ

اور ڈرنگیسی کے مقام پر ڈوگرہ اور تبتی فوجیں آمنے سامنے خم ٹھونکنے لگیں۔ جہاں تبتیوں نے اپنے ارد گرد خندق بنا لی اور ڈوگروں نے یہ سوچ کر کہ تبتیوں کو اُن کی پوزیشن سے حملہ کر کے ہٹایا جانا مشکل امر ہے۔ ایک دریا کی ناکہ بندی کر دی۔ اس ناکہ بندی سے دریا کا پانی اپنے تیز بہاؤ کے ساتھ خندقوں میں بھر جانے لگا۔ اور وہاں ایک بھاری سیلاب آ گیا جس سے تبتیوں کو مجبوراً خندقوں سے باہر آنا پڑا اور ایک گھمسان کی جنگ ہوئی۔ نیزے تلوار اور بندوقیں چھوڑ کر دونوں فریق دست بدست لڑنے لگے۔ اور تبتیوں کو کمر توڑ شکست ہوئی۔ تبتی جرنیل گرفتار کر لیا گیا۔ اور اُسے وہاں ہی ہلاک کر دیا گیا۔

تبتی فوج کی اس لرزہ خیز تباہی کی خبر جب لہاسہ میں پہنچی تو حکومت لہاسہ صلح جوئی پر رضامند ہو گئی۔ حکومت لہاسہ کی طرف سے پی ستی شاٹا اور ساٹون ڈور کھانگ وکیل صلح مقرر ہوئے۔ اور سرکار جموں کی طرف سے دیوان ہری چند سپہ سالار مہم لداخ اور وزیر رتنو سپہ سالار دوئم کو مصالحت کے اختیارات دیئے گئے جنہوں نے لہاسہ و جموں عہد نامہ کی توثیق کی جو کہ حسب ذیل ہے :۔

عہد نامہ لداخ

ہم ملک لہاسہ کے افسر اولاً ساٹون سوکھنوالہ الملک ثانیاً بخشی سپجو سلطنت چین کی فوج کا کمانڈر ایک فریق کی طرف سے اور دیوان ہری چند اور وزیر رتنو راجہ گلاب سنگھ کے نمائندے دوسرے فریق کی طرف سے باہمی سمجھوتہ کرتے ہیں اور بھگوان کے روبرو اس امر کی قسم کھاتے ہیں کہ راجہ گلاب سنگھ اور شہنشاہ چین اور لاما گورو صاحب

لہاسہ والا کے مابین دوستی اور اتحاد ہمیشہ ہمیشہ تک قائم رکھا جائے گا۔ اور اس کی تعمیل کی جائیگی۔ اور ہم ہر اُس امر کے پابند رہیں گے جس کے لئے بھگوان کی موجودگی میں ہم اتفاق رائے کرتے ہیں۔ ہمارا اُن ممالک سے کوئی سروکار نہ ہوگا جو سرحد لداخ پر واقع ہیں ہم شال پشم اور چائے کی تجارت حسب دستور سابق لداخ کے راستے جاری رکھیں گے۔ اور اگر شری راجہ گلاب سنگھ کا کوئی دشمن ہمارے علاقہ میں آئے اور راجہ کے خلاف کچھ کہے تو ہم اُسے بالکل درخور اعتنا نہیں گردانیں گے۔ اور جو تاجر لداخ سے آئیں اُنہیں ہماری جانب سے کوئی دقت لاحق نہیں ہوگی۔ سرحد لداخ کے تقرر کے متعلق اور شال پشم اور چائے کی تجارت کے لئے سڑک کے کھلا رکھنے کے بارے میں ہم اُسی طریق سے عمل پیرا ہوں گے جس کا تصفیہ اِس مجلس میں ہو چکا ہے۔ ہم اپنے الیچور کے ساتھ کالیری کے ساتھ اور پاسی کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا ہے اُس کی تعمیل کریں گے۔ وزیر میاں خوشحال جو اس امر کا گواہ ہے۔

محررہ ۲ اسوج سمت ۱۸۹۹ بکرمی مطابق ۱۵ اگست ۱۸۴۲ء

معاہدہ کا تبتی خلاصہ

ہم افسران لہاسہ کالون زور کھانگ اور پی شی شاٹا افسران افواج خاقان چین۔

تقدس مآب دلائی لامہ اور اُس کے حکام کے نام میں اور شری خالصہ جی البرنی شری مہاراجہ لالہ گولانا نمائندہ منشر تیشا کال غلام محمد لوسالت کرم امیر شاہ —— (گلاب سنگھ کے نام میں) لداخ پہنچے ہیں اور ہم نے معاہدہ صلح کی شرائط پر بحث کی ہے۔ ہر دو فریقین نے تمام سابقہ اختلافات اور عناد کے ملیامیٹ کر دینے کا اور ہر دو سلاطین کے مابین کی دوستی اور اتحاد کو ہمیشہ کے لئے بحال رکھنے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ شری مہاراجہ گلاب سنگھ اور شری گورو لامہ لاسہ کے مابین یہ معاہدہ صلح

متعین کر لیا گیا ہے۔ کہ مستقبل میں ہر دو فریقوں کے مابین اپنی سرحد کے متعلق عداوت کی کوئی وجہ نہ ہو سکے گی۔

شری مہاراجہ صاحب نے بھگوان کو گواہ رکھتے ہوئے اس امر کا اعلان کیا ہے کہ وہ اس معاہدہ کی شرائط سے انحراف نہیں کریں گے۔ اور کہ اس بات پر اتفاق رائے کیا گیا کہ ہر دو بھائی لداخ میں امن و امان سے رہیں گے۔ اور کسی سازش میں شریک نہیں ہوں گے۔ علاوہ ازیں ہر دو اقوام کے مابین دوستانہ تعلقات کی ترقی میں کوشش کریں گے۔

لداخی اپنا سالانہ خراج حضور مآب دلائے لاما اور اُس کے وزراء کی خدمت میں حسب دستور باقاعدگی کے ساتھ پیش کرتے رہیں گے۔ اور شری مہاراجہ صاحب اس انتظام میں مداخلت نہیں کریں گے۔ اجناس کی باہمی درآمد برآمد پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔ مثلاً چائے اور کپڑا وغیرہ وغیرہ۔ اور تجارتی کاروبار قدیم رواج کی مانند ہوتا رہے گا۔ لداخی۔ تبتی حکومت کے تاجروں کو سامان رسانی کے جانور مہیا کیا کریں گے اور اُن کی رہائش کا انتظام حسب دستور کرتے رہیں گے۔ اور تبتی لوگ اُن لداخیوں سے بھی یہی سلوک روا رکھیں گے جو تبت میں سالانہ خراج لے کر آئیں۔ اس بات پر اتفاق رائے کیا گیا کہ لداخی تبتی حکومت کو کسی تکلیف کا موقع نہیں دیں گے۔ ہم اس معاہدہ کا ایشور کو شاہد گردانتے ہیں جس کی رُو سے شری مہاراجہ صاحب اور لاسہ ہر دو کے حکام کے مابین تعلقات اسی طرح برجاری رہیں گے۔ جیسے کہ وہ ایک کنبہ کے ارکان ہیں۔ اس معاہدہ کی ترسیل ماہ اسوج سمت ۱۸۹۹ بکرمی کی دوسری تاریخ کو عمل میں لائی گئی ہے۔

معاہدہ کی تصدیق ۔ چونکہ یہ معاہدہ گلاب سنگھ اور حکومت لاسہ

کے درمیان تھا۔ اور ہر دو کے آقاؤں (بالادست طاقتوں) پر عائد نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے دربار لاہور اور شہنشاہ چین کے نام پر ایک مزید معاہدہ عمل میں لایا گیا۔ ذیل میں تبتی زبان سے معاہدہ کا ترجمہ ثبت ہے

"ان مبارک ایام میں ہم مہاراجہ گلاب سنگھ کے مغربی علاقہ کے کمانڈر انچیف اور دربار لاہور کے اعتماد الدولہ نظام الملک شیخ غلام محی الدین گورنر کشمیر کے نام کے معتبر منتخب اور دیانت دار اور وفادار آفیسر باہم جمع ہو کر ۱۲ اسوج سمت ۱۸۹۹ بکرمی کو لاما گورو صاحب لاسہ کے آفیسر دل سے جن میں سماؤن سوکن والہ اور بخشی ساپچو لداخ میں ہیں، ملاقی ہوئے، اور تصفیہ اختلافات کے بعد حسب سابق ایک معاہدہ حسب ذیل مفہوم پر مشتمل تسلیم و ثبت ہوا۔"

"اب جبکہ بھگوان کی موجودگی میں جنگ سے پیدا شدہ رُوح نفاق جو درمیان میں حائل ہو چکی تھی دلوں سے کامل طور پر زائل ہو چکی ہے اور فریقین کو اب کوئی شکایت باقی نہیں رہی مستقبل میں کسی وجہ سے بھی ابد الآباد تک اس اتحاد اور دوستی میں سر مو تجاوز نہیں ہو گا۔ اور اس میں کسی طرح کی مخالفت اور دشمنی واقع نہیں ہو گی۔ جو شاہ سرزمین مہاراجہ شیر سنگھ والئے لاہور راجہ ہائے جگان راجہ صاحب بہادر اور خاقان (شہنشاہ) چین اور لاما گورو صاحب لاسہ کے مابین منعقد ہوئی ہے۔ ہم سرحد لداخ کی حدود پر قابض رہیں گے۔ اور اس کا ہمسایہ علاقہ قدیم دستور کے مطابق اس سرحد کے ماتحت رہے گا۔ اور قدیمی سرحد سے درے کے علاقے میں کسی قسم کی مداخلت نہیں ہو گی اور اس پر کسی طرح کا تجاوز نہیں ہو گا۔ ہم اپنی اپنی سرحدوں پر قائم رہیں گے اور ہماری

دوستی کے تعلقات اور مشترکہ مفاد کا رابطہ دن بہ دن مستحکم ہوتا رہے گا۔
اِس معاہدہ کے شاید مختلف قسم کے لوگ ہیں۔ راجہ زادگان کے شامل حال
اگر وہ دیانت دار وفادار اور اطاعت شعار رہیں۔ بیش از بیش توجہ
رہے گی۔ لاسہ کے تاجروں سے جب وُہ حسب دستور لداخ آئیں مستحسن
سلوک کیا جائے گا۔ اور اُنہیں سامان رسانی اور مزدوری کے ضمن میں
بیگار کی امداد مہیا کی جائے گی۔ اگر راجگان لداخ۔ لامہ گورو صاحب
لاسہ کو معمول کے تحائف بھیجنا چاہیں تو اُس سے ہمارا کوئی سروکار
نہ ہوگا۔ اور مداخلت نہیں کریں گے۔ دُوسری جانب سے بھی انتظامات
دستور قدیم کے مطابق جاری رہیں گے اور تاجر جو علاقہ چانتھان
(جنگ تھانگ) کو جانا چاہیں اُن سے مستحسن سلوک روا رکھا جائے گا۔
اور دستور سابق کے مطابق اُنہیں بیگار مہیا کی جائے گی۔ اور اُن لوگوں
سے کسی قسم کی مداخلت روا نہیں رکھی جائے گی۔ لداخ کے تاجر کسی
حالت میں بھی چانتھان (جنگ تھانگ) کے لوگوں سے مداخلت نہیں
کریں گے۔ تحریرہ ۱ اسوج ۱۸۹۹؁ بکرمی

دیوان ہری چند کی جموں کو واپسی

عہد نامہ جموں و لہاسہ کی تکمیل کے بعد دیوان
ہری چند لہاسہ کے ہر دو وکیلوں اور دیگر تبتی افسران اور جنگی قیدیوں کو ساتھ
لے کر جموں واپس ہوا اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی طرف سے تبتی افسروں اور
دُوسرے اشخاص کو خلعت ہائے فاخرہ سے نوازا گیا اور وہ لہاسہ کو واپس
ہوئے۔ اِس عہد نامہ کی رُو سے لداخ کی وہی حدود قرار پائیں جو گیالپو نڈوپ
نمگیل کے زمانہ میں تھیں۔ جب کہ وزیر زوراور سنگھ نے لداخ کو جموں سے

ملا یا تھا۔ اور بعد میں فتح کئے علاقوں رودوق۔ گر۔ کو گے اور یلاگ وغیرہ جو علاقہ سانگرڈی کے نام سے مشہور ہے۔ بدستور لاسہ کے ساتھ شامل رہے۔ لداخ کے گیالپو کے ساتھ جو تعلقات لاسہ کے تھے وہ جموں اور تبت کی سرکاروں نے بدستور بحال رکھے تسلیم کئے۔ اور قیدیوں کا تبادلہ بھی عمل میں لایا گیا۔ گیالپو جگمت نمگیل اور اُس کی والدہ کو معہ اُن کے ہمراہیوں کے افسران لاسہ نے اپنے آدمیوں کے ساتھ لداخ واپس کر دیا۔ اور دیوان ہری چند نے کمال فراخدلی سے اُن کی حرکات کو نظر انداز کر کے گیالپو جگمت کے حق میں اُس کے دادا کی قائم جاگیر سٹوک بحال کر دی۔ اور اُس کے چھوٹے سوتیلے بھائی نونسوک ستن سٹونگ یوگمل کو نصف موضع ماٹھو جاگیر میں دیا گیا۔ دونوں بھائی اپنی اپنی جاگیر میں امن و امان سے رہنے لگے۔ اور اُن کی اولاد وہاں ہی رہائش پذیر ہے۔ جگمت نمگیل کے راہیٔ ملک بقا ہونے پر اُن کے بیٹے صنم نمگیل کو گیالپو تسلیم کیا گیا۔ اور بعد میں مہاراجہ جموں و کشمیر کی طرف سے جاگیر کے علاوہ اُسے نقدی وظیفہ بھی مقرر کیا گیا۔ صنم نمگیل نے لداخ کے گونپہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ تو اُس کا بیٹا ڈاڈا ول جاگیردار سٹوک کہلایا اور جموں و کشمیر اسمبلی (پرجا سبھا) کا مہاراجہ کی طرف سے لداخ کی نمائندگی کے لئے نامزد ہوا۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ والیٔ جموں و کشمیر نے اُسے سٹوک کی جاگیر کے علاوہ نوبراہ میں کچھ اور جاگیر بھی عطا کی۔ اور یہ جاگیریں ۱۹۵۰ء تک راجگان لداخ کے وارثوں کے پاس رہیں۔

لداخ کا پہلا تھانیدار

دیوان ہری چند کی جموں کو واپسی کے بعد وزیر زتزل کو لداخ کے انتظامات کے لئے کئی روز لداخ میں قیام کرنا پڑا۔ اور جب تمام انتظامات

درست کر لئے گئے۔ اور سارے علاقے پر امن و امان ہو گیا تو حکومت جموں کی طرف سے وزیر رتنوں نے مگنا کو لداخ کے تمام انتظامات سپرد کر کے تھانیدار کے عہدہ سے سرفراز کیا اور خود جموں کو واپس ہؤا۔ اس طرح لداخ کا پہلا ڈوگرہ تھانیدار مگنا کے نام سے مقرر ہوا۔ اور اس کا نائب ایک لداخی ایبور گرمن مقرر ہوا۔

بلتستان کی بغاوت کا خاتمہ

جرنیل زورآور سنگھ کی تباہی کے بعد لداخ کے ساتھ ساتھ بلتستان پوریگ اور زانسکار میں بھی بغاوت پھیل گئی تھی اور ڈوگرہ حکومت کا اُن علاقوں میں خاتمہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ دیوان ہری چند اور وزیر رتنوں کی کمان میں تازہ دم ڈوگرہ فوج لداخ کی طرف مارچ کر رہی تھی۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے حکم سے خاص طور پر وزیر لکھپت کشتواڑیہ کو بلتستان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ وزیر لکھپت تین ہزار ڈوگرہ سپاہ لے کر کشتواڑ سے براہ نالہ چیلوگ سورو میں وارد ہؤا۔ اور مردانہ وار علاقہ در علاقہ کو ڈوگرہ حکومت کے تابع کرتا ہؤا کرگل پہنچ گیا۔ وزیر لکھپت کے کرگل میں پہنچنے سے پہلے دیوان ہری چند اور وزیر رتنوں اپنے لشکر جرار کے ساتھ روانہ لداخ ہو چکے تھے۔

بلتستان کی حالت یہ تھی کہ سیمان خاں راجہ شگر اور محمد شاہ راجہ اسکردو قید خانوں میں سختی بھگت رہے تھے اور اسکردو و شگر میں کاچو حیدر خاں کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ ڈوگرہ افسران اور فوجی دستے متعینہ اسکردو بھی قید تھے۔ وزیر لکھپت نے کرگل پہنچ کر اندرونی انتظام درست کیا اور علی شیر خاں راجہ کرتخشہ سے مشورہ کر کے بلتستان کی طرف اپنی فوجوں کا رُخ کیا۔

وزیر لکھپت اِس تیزی سے راجگان اسکردو کے قلعوں اور برجوں پر قبضہ کرتا

ہوا کھجون گاؤں میں پہنچا کہ راجو حیدر خاں کے ہوش اُڑ گئے جس نے مقابلہ کا خیال چھوڑ دیا اور وہ کھرپوچھے میں قلعہ بند ہو گیا۔ وزیر لکھپت نے کھجون سے اسکردو پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ قلعہ اپنے محل وقوع کے سبب ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ کئی روز تک لڑائی جاری رہی لیکن قلعہ فتح ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ تو وزیر نے راجہ علی شیر خاں اور راجہ محمد شاہ کے ذریعہ قلعہ کے دروازہ کے محافظ آفیسر وزیر محمد علی کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ کہ وہ رات کو قلعہ کا دروازہ کھلا رکھے گا۔ چنانچہ وزیر محمد علی نے اپنے وعدہ کے مطابق رات کو دروازہ کھلا رکھا اور وزیر لکھپت نے بناتِ خود قلعہ کے دروازہ پر پہنچ کر حملہ کر دیا اور ڈوگرہ فوج قلعہ میں داخل ہو گئی۔ اور کشت و خون کا وہ بازار گرم کیا کہ محصور سپاہ بدحواس ہو کر بھاگ نکلی اور اُن پر وہ تباہی آئی کہ بعض دریائے سندھ میں ڈوب گئے اور بعض تیر کر پار ہو گئے۔ اور ڈوگرہ سپاہ نے اپنا جھنڈا صبح ہونے تک قلعہ پر گاڑ دیا۔ راجو حیدر خاں قلعہ کے شمالی دروازہ سے نکل کر راتوں رات بارتند کی طرف بھاگا۔ لیکن راجہ دولت خاں والئے کھپلو نے اپنے آدمی بھیج کر اُسے گرفتار کر کے قید کر لیا اور بنظر خیر خواہی ... اُسے اپنے ساتھ لے جا کر وزیر لکھپت کے پیش کر دیا۔ وزیر نے راجو حیدر خاں کو معہ ہمراہیاں قید کر کے جموں بھیج دیا۔ وزیر لکھپت نے کھرپوچھے کو ویران کر دیا اور اپنے قیام اسکردو کے دوران ایک جدید قلعہ تعمیر کیا۔ اور بھگوان سنگھ کو قلعہ دار بنا کر معہ تین سو سپاہیوں کے تعینات کیا۔ اسکردو کے راجہ محمد شاہ کے اختیارات میں کسی قسم کی کوئی دست اندازی نہیں کی۔ اسی طرح کھپلو میں دولت علی خاں اور کرسل میں خورم خاں کو بدستور راجہ تسلیم کیا۔ اور اُن کی جاگیریں بدستور بحال رکھیں۔ راجہ علی شیر خاں کرتخشہ اور راجہ احمد خاں طولتی بدستور جاگیردار بحال رکھے گئے۔ وزیر لکھپت نے راجہ ظفر سلیمان خاں جو کہ وفات پا گیا تھا کے فرزند

امام قلی خاں کو شنغر کا جاگیردار مقرر کیا۔ شنغر کا انتظام درست کرنے کے بعد وزیر نے روندو کی شورش کو فرو کیا اور راجہ علی خاں کی جاگیر بھی بحال رکھی اور وہاں سے راجہ جبار خاں والئے استور پر حملہ کے لئے بڑھا۔ استور کا راجہ وزیر کے پہنچتے ہی قلعہ بند ہو گیا۔ لیکن خوراک کی کمی کی وجہ سے اسے ایک دن میں ہی قلعہ چھوڑنا پڑا۔ اور اس نے سرکار جموں کی اطاعت قبول کر لی۔ ان تمام علاقوں اور حلقوں کا انتظام کر کے وزیر واپس اسکردو پہنچا اور وہاں کے انتظامات اور امن و امان سے مطمئن ہو کر جموں روانہ ہوا۔ اور پوریگ کے علاقہ کا انتظام درست کرتا ہوا راجگان اور جاگیرداران لیکم اور سوت وغیرہ کی گوشمالی کر کے زانسکار پہنچا۔ یہ علاقہ بھی ڈوگرہ حکومت سے باغی ہو چکا تھا۔ چنانچہ جرنیل زورآور سنگھ کے مقرر کردہ تھانیدار جمعدار دینو اور اس کے ماتحت ڈوگرہ فوجیوں کو قتل کر کے گیالپو چے مور نے ڈوگرہ حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اور اپنے ولی عہد بلجون کو لداخ میں مبارکباد کا پیغام دینے کے لئے بھیج دیا تھا۔ جب وزیر لکھپت زانسکار پہنچا تو لوگوں نے بلا مزاحمت وزیر کی اطاعت قبول کر لی۔ اور وزیر نے گیالپو چے مور کو معہ اہل و عیال قید کر لیا اور اس کی تمام جائداد بحق سرکار جموں ضبط قرار دے دی۔ بلجون کشمیر کی طرف بھاگ گیا جہاں کہ وہ بعارضہ چیچک راہی ملک عدم ہوا۔

وزیر لکھپت نے پوریگ، بلتستان اور زانسکار کو سرکار جموں کے تحت لا کر جو انتظام کیا وہ حکومت جموں و کشمیر کے لئے ایک سنگِ بنیاد کا درجہ رکھتا تھا جو مدت تک جاری رہا۔

زانسکار میں تھتہ بسنتی رام کشتواڑیہ کو تھانہ دار مقرر کیا گیا اور اس علاقہ میں مالیہ کی شرح مقرر کر کے تمام فوجی اور ملکی انتظامات کر کے وزیر لکھپت واپس جموں پہنچا۔

راجگان بودھ کے زمانہ کا لداخ

وزیر زوراور سنگھ کے لداخ میں وارد ہونے سے پہلے راجگان بودھ کے زمانہ میں اراضی پر کوئی مالیہ نہ تھا۔ زمیندار صرف راجگان کے خانگی اخراجات ادا کرتے تھے۔ لیکن مُلک کے انتظامات اور حفاظت کی ذمہ داری بھی اُن پر عائد تھی۔ بیرُونی حملہ کی مدافعت کے لئے زمینداران نی گھر ایک ایک سپاہی معہ اُس کے لباس و خوراک دینے کے ذمہ دار تھے۔ سامان جنگ اور اسلحہ وغیرہ راجہ لداخ کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ راجہ کے بعد لداخ کا سب سے بڑا حاکم کالون (وزیر اعظم) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اِس کالون کے ماتحت علاقہ دار کالون یعنی حاکم ہوتے تھے۔ اُن کے ماتحت دیہات کے مقدم تھے۔ ان تمام عہدہ داران کو سرکاری خزانہ سے تنخواہ نہیں ملتی تھی بلکہ ایسی رسُوم مقرر تھیں جو کہ ہر عہدہ دار اپنے ماتحت عہدہ دار سے اور آخری عہدیدار زمینداروں سے وصول کرتا۔

راجگان لداخ اور اُن کے خاندان کی ضروریات کے لئے جو غلہ وغیرہ درکار ہوتا تھا وہ دیہات سے فراہم کیا جاتا تھا۔ اِس طرح علاقہ نوبراہ کے بہم دیہات سے چھ ماہ اور علاقہ جات لامہ یورو، بزگو اور فنے وغیرہ کے دیہات باقی چھ ماہ تک غلّہ بہم پہنچاتے تھے۔ اِس کے علاوہ راجوں کی ملکیتی اراضیات کی کاشت زمینداران سے مُفت یعنی بطور بیگار کرائی جاتی تھی جن کی کل پیداوار داخل سرکار ہوتی تھی۔ علاقہ زنسکھو و ٹانچی کے دیہات سال بھر کے لئے راجگان کو گوشت بہم پہنچاتے تھے۔ یکصد علاقہ زانسکار کے لوگ دینے کے ذمہ دار تھے اور ساڑھے تین ہزار من کے قریب سالانہ لکڑی نالہ جات چلنگ وغیرہ کے دیہات کو راجہ لداخ کے ہاں مہیّا کرنا پڑتی تھی۔ علاقہ ٹانچی کے لوگوں سے

بطور بیگار پٹو تیار کراتے تھے۔ اور اِن کے لئے اُون لداخ کے سارے علاقوں سے فی گھر تین پاؤ وصول کی جاتی تھی۔ زمینداروں کی بھیڑ بکری کی سالانہ شماری ہوتی تھی۔ دس بھیڑ بکری پر ایک بھیڑ یا بکری راجہ کو مالیہ دینا ہوتی تھی اور یہ بھیڑ بکریاں سرکاری چرواہوں کی حفاظت میں رکھی جاتی تھیں۔ اور راجہ لداخ اُن سے بوقت ضرورت گوشت مکھن اور اُن کی کمی کو پورا کیا کرتا تھا۔ ہر گھر سے سوا تین آنے (موجودہ بیس نئے پیسے) بطور نذرانہ وصول کیا جاتا تھا۔ اِس کے علاوہ زمینداروں کو بغیر معاوضہ کے چھوڑتنوں (بودھی پوتر استھان) کی مرمت اور تعمیر کرنا ہوتی تھی۔ بعض دیہات میں بڑے بڑے گونپے جات (بودھی مندر) ہیں اُن دیہات کی رسوم واجب الادا گونپہ جات کو بصورت معافی عطا کی گئی تھیں۔ اور گونپوں کے مہتمم یہ تمام وصولیاں کیا کرتے تھے۔ راجہ لداخ اور اُس کے خاندان کے چائے وغیرہ کے سالانہ اخراجات وُہ شخص پورا کرنے کا ذمہ دار تھا جو ہر تیسرے سال لداخ سے لہاسہ کو بغرض تجارت بطور وکیل راجگان لداخ جایا کرتا تھا۔ اور جسے باربرداری لداخ سے لہاسہ اور واپسی لداخ تک بلا مزدوری بہم پہنچائی جاتی تھی۔ اِس کے علاوہ لہاسہ میں لداخ کے سرکاری سوداگروں کے سوا اور کسی کو تجارت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ جنہیں تین ہزار روپیہ بطور پیشگی راجگان لداخ کی طرف سے ملتا تھا۔ اور جب وُہ واپس لداخ آتے تھے تو یہ رقم اُن سے دو چند وصول کئے جانے کا رواج تھا۔ اور یارقندی سوداگران جو مال لداخ میں لاتے تھے، اُن کے مال پر محصول درآمد بارہ ہزار روپیہ سے تیس ہزار روپیہ تک سالانہ وصول ہوتا تھا۔

جموں سے الحاق کے بعد لداخ کا انتظام

وزیر زورآور سنگھ نے جموں سے لداخ کے ابتدائی الحاق کے بعد راجگان لداخ کے وقت کے انتظامات میں کوئی تبدیلی اور ترمیم نہیں کی۔ بلکہ گیالپو ٹنڈوپ نمگیل سے صرف نو ہزار روپیہ سالانہ کا نذرانہ مقرر کر کے لداخ پر اُسی کی حکومت جُوں کی توُں رہنے دی گئی۔ اور جب ٹنڈوپ نمگیل نے کچھ دیر بعد جموں سرکار سے بغاوت کی تو وزیر زورآور سنگھ نے اس بغاوت کو فرو کر کے ٹنڈوپ نمگیل کو معزول کر دیا۔ اور لداخ کی حکومت ایک بارسُوخ لداخی رئیس اور معزز وزیر موروپ سٹنزن کو راجہ مقرر کر کے سپُرد کر دی۔ لیکن انتظام ملک میں کوئی مداخلت نہیں کی۔ صرف رقم نذرانہ کی تعداد دوچند کر کے اٹھارہ ہزار روپیہ سالانہ قرار دی گئی۔

موروپ سٹنزن دو ایک سال جموں سرکار کو نذرانہ کی رقم ادا کرتا رہا۔ لیکن بعد میں عیاشی کی طرف مائل ہو گیا۔ اور انتظام میں فتور پیدا ہو گیا۔ تو وزیر زورآور سنگھ نے لداخ کا جموں سے باقاعدہ الحاق کر کے تمام انتظامات جموں سرکار کے تحت مگنا تھانیدار کو سپُرد کر دئے۔ وزیر زورآور سنگھ کے بعد جب دیوان ہری چند اور وزیر رتنوں نے لداخ کے علاقوں اور وزیر لکھپت نے بلتستان وغیرہ کی بغاوت فرو کر کے تمام علاقہ جات کو جموں ریاست کے ساتھ شامل کر لیا اور معاہدہ لداخ ستمبر ۱۸۴۲ء میں ہوا۔ تو لداخ پرگنہ کا جموں سرکار کی طرف سے حاکم لداخ مگنا تھانیدار تھا۔ چنانچہ مگنا تھانیدار کے بعد یکے بعد دیگرے مہتہ بستی رام تھانیدار۔ مہتہ منگل تھانیدار۔ وزیر شب سرن تھانیدار۔ سید اکبر علی شاہ وزیر۔ مسٹر ڈرو وزیر۔ مسٹر جانسن وزیر۔

پنڈت رادھا کشن کول وزیر رخان بہادر سردار محمد اکبر خان وزیر اور چودھری خوشی محمد مہتمم بندوبست و وزیر مقرر ہوئے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں لداخ اور بلتستان کے حاکم کا عہدہ تھانیدار کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ بعد میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اس عہدہ کو وزیر کے درجہ سے موسوم کیا۔

لداخ کا پہلا تھانیدار میاں مگنا

میاں مگنا ۱۸۴۱ئہ سے ۱۸۴۵ئہ تک لداخ کا حاکم رہا۔ اسے موردپ سٹنزن کی معزولی کے بعد وزیر لڈور آور سنگھ نے مقرر کیا تھا۔ میاں مگنا تھانیدار کے چار سالہ عہد میں لداخ کے مرکزی قصبہ لیہہ میں کافی تبدیلیاں ہوئیں اور سرکاری عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ چنانچہ لداخ کا پرانا قلعہ مگنا تھانیدار نے ہی تعمیر کرایا تھا۔ اور اُس نے ایک عالیشان مکان بھی تعمیر کیا جو اب تک مگنا حویلی کے نام سے مشہور چلا آرہا ہے۔ اس حویلی میں مُدت تک تھانہ پولیس اور شفاخانہ مویشیاں رہا۔ مگنا تھانیدار نے لیہہ سے جانے والی کشمیر کی شاہراہ پر ایک باغ بھی لگوایا۔ جسے آج بھی مگنا باغ کہا جاتا ہے۔

ابتدا میں مگنا تھانیدار نے بشمول وزیر زتنوں لداخ میں مالیہ کی بنیاد رکھی۔ اور علاقہ وار خانہ شماری کر کے حقیتوں کی درجہ بندی کر کے مختلف درجوں پر حسب ذیل شرح سے مالیہ لگایا۔ لداخ کے رئیسوں یعنی کالون ولونپو وغیرہ کے گھروں پر حسب حیثیت چودہ، پچیس اور تیس روپیہ فی گھر مالیہ لگایا۔ اور عام زمینداروں کی حیثیت بھی تین درجوں میں رکھی گئی۔ ایک گانا یعنی اوسط۔ دوسرا چھتما یعنی نصف۔ تیسرا یان چھتما یعنی چوتھائی۔ ان کے اُوپر بالترتیب سات۔ تین اور پونے دو روپیہ کی شرح سے مالیہ مقرر کیا گیا۔ اور جن علاقوں کی زمین دو فصلی اور زرخیز تھی، اُن پر شرح مندرجہ بالا ایزاد

کر کے آٹھ روپیہ ایک آنہ - چار روپیہ ایک آنہ اور دو روپیہ دو پیسے لگائے گئے اور جن علاقوں میں زراعت کی بجائے لوگوں کا گذارہ زیادہ تر مال مویشی کی آمدنی پر ہے، اُن پر مالیہ مطابق تعداد مال مویشی لگایا گیا۔ اور راجگان بودھ کا یہ دستور کہ ہر سال زمینداروں کی بھیڑ بکری گنتی کر کے دس جانور پر ایک جانور داخل سرکار کیا جائے، بند کر دیا گیا - اور بھی کئی ایک اصلاحات رائج کی گئیں۔

نگنا تھانیدار نے اپنی حکمت عملی - خداداد ذہانت اور جموں سرکار کے تئیں جذبۂ وفاداری اور جاں نثاری سے لداخ میں ڈوگرہ حکومت کو لائق ستائش استحکام دیا۔ جس کی وجہ سے اُس کے جانشینوں کو لداخ کی ایڈمنسٹریشن چلانے اور مزید اصلاحات نافذ کرنے میں بہت زیادہ آسانیاں میسر آئیں۔ جن سے لداخ کے عوام میں جموں سرکار ہر دلعزیز اور مقبول ہوتی گئی۔

مہتہ بستی رام تھانیدار

سنہ ۱۸۴۲ء سے لے کر سنہ ۱۸۵۵ء تک مہتہ بستی رام تھانیدار کے طور لداخ کا حاکم رہا۔ اس نے اپنے عہد میں چند ایک سوشل اصلاحات بھی کیں۔ چنانچہ لداخ کی بے سہارا - خراب و خستہ اور آوارہ زندگی بسر کرنے والی عورتوں اور اُن کی اولاد کو اس نے غلام زادگان کا نام دے کر سرکاری امداد و ریلیف کا مستحق قرار دیا۔

پرانے زمانہ کے لداخی بودھوں میں رواج تھا کہ ایک باپ کے تمام بیٹوں میں ایک ہی مشترکہ بیوی رکھنے کا رواج تھا۔ اس لئے کچھ تعداد عورتوں کی بغیر شادی کے رہ جاتی تھی۔ ایسی کنواری عورتوں میں سے کچھ تو گونپہ جات میں داخل ہو کر لامہ کی زندگی بسر کرتی تھیں۔ ان کو چومو کہا جاتا

تھا۔ اور جو لامہ کی زندگی پسند نہ کرتی تھیں، وہ دربدر اور آوارہ ہو جاتی تھیں۔ اس آوارگی میں وہ اولاد بھی پیدا کرتی تھیں۔ ایسے بے خانماں اور آوارہ لوگوں کو مہتہ بستی رام نے غلام زادگان کا نام دے کر ان کی ایک فہرست مرتب کی۔ اور سرکاری طور پر اُن کے لئے رسد مقرر کر کے اُن کی تعلیم اور دستکاری کی ٹریننگ کا انتظام کیا۔ ایسے غلام زادگان ایک سرکاری مرکز میں دریاں وغیرہ اور دوسری کار آمد چیزیں تیار کرتے تھے۔ اور یہ سارا کام ایک سرکاری افسر کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ مہتہ بستی رام کا یہ انتظام برابر ۲۵ سال یعنی ۱۸۶۸ء تک چلتا رہا۔

راجگان لداخ کے زمانہ میں بھیڑ بکریاں پالنے کا رواج تھا۔ اور بھیڑ بکریوں کے اکثر مالک اُن کی حفاظت و پرورش بذریعہ ٹھیکیداران کراتے تھے۔ چنانچہ ٹانچی اور روپشو میں چند ایک ایسے قبیلے بھی ہیں جو دوسروں کی بھیڑ بکری ٹھیکہ پر لے کر سال بسال مالکان کو حساب دیتے تھے۔ اور بھیڑ بکری کی اموات بھرائی دے کر پیدائش میں اضافہ کرانے کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ مہتہ بستی رام نے سرکاری بھیڑ بکری پر فی بکری ایک سیر ماکھن اور ایک سیر پشمینہ اور فی بھیڑ ایک سیر اُون سالانہ چرواہوں سے وصول کرنے کا رواج دیا۔ بھیڑ بکری کو ٹھیکہ پر دینے کا رواج ختم کر کے سرکاری طور پر اس رواج کو جاری کیا جس سے سرکار کو معقول فائدہ ہونے لگا۔ یہ انتظام اب عرصہ سے لداخ کے علاقہ میں ختم ہو چکا ہے۔

مہتہ بستی رام نے بھی لیہہ کے قصبہ میں ایک حویلی تعمیر کی جسے بستی حویلی کا نام دیا گیا جو آج تک اس نام سے مشہور ہے۔ اس حویلی کا ہال کمرہ سرکاری سٹور میں تبدیل ہو گیا اور حویلی کے رہائشی حصہ میں تحصیلدار اور دوسرے

افسر رہائش رکھتے رہے۔

لیہہ میں بازار کی تعمیر مہتہ بستی رام کے عہد میں شروع ہوئی۔ اس بازار کے ایک طرف عدالت اور خزانہ کی شاندار عمارت اور اُس کے ساتھ ملازمین کے لئے رہائشی کوارٹر تعمیر کرائے گئے۔ جو آج تک بدستور اسی غرض کے لئے چلے آرہے ہیں۔

۱۸۵۱ء میں تبتی سرحد پہ پھر مشکلات پیدا ہوگئیں۔ تبت کے جو قافلے تجارت کی غرض سے آتے جاتے تھے، انہیں قدیم دستور کے مطابق باربرداری مہیا کرنا لداخیوں پر فرض عاید ہوتا تھا۔ اس دستور کو بدستور رکھنے کا وعدہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے دے رکھا تھا اور تبتی قافلے مُفت باربرداری کے حقدار تھے۔ لداخ کے زمینداروں نے جنہیں اب تبتیوں کا کوئی ڈر اور خوف نہ تھا، قافلوں کو مُفت باربرداری دینے سے انکار کر دیا۔ دلائی لامہ تبت نے اس وعدہ خلافی کے خلاف احتجاج کیا۔ لداخیوں کے اس انکار پر کہ وہ حکومت تبت کے تاجر نیگ گیوری کو بوجہ گھٹیا تجارت جائے کے باربرداری کے جانور مہیا نہیں کر سکتے، دلائی لامہ نے اس مسئلہ کو پُرامن طریق پر حل کرنے اور لداخ اور تبت کے درمیان سرحدی اختلاف مٹانے کے لئے اپنے صوبجاتی گورنر بھیجے۔ اور مہتہ بستی رام حاکم لداخ اور تبتی گورنر کالون رینزن نے ملاقات کر کے ایک فیصلہ پر کاربند رہنا تسلیم کیا جو ذیل کے معاہدہ کی صورت میں لکھا گیا۔ جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

تجارتی معاہدہ ۱۸۵۱ء

" آئندہ کے لئے لداخی لوگ تبتی تاجروں کو بغیر کسی تامل کے معمولی

ضروریات بار برداری مہیا کیا کریں گے۔لداخی لوگ تبت سرکار کے تاجروں کو حسب معمول رہائشی مکان اور نوکر چاکر مہیا کریں گے۔اور قدیم دستور کے مطابق اُنہیں امداد دیا کریں گے۔صُوبجاتی گورنر اپنی گورنمنٹ سے صرف فہیم اور قابل اشخاص کے تقرر کی سفارش کریں گے جو سالانہ خراج تبت کو لے جایا کریں۔ صُوبجاتی گورنر اِس مضمون کے احکام صادر کریں گے کہ چائے اور اُونی اشیائے صرف لداخ کو بھیجی جایا کریں نہ کہ کسی اور جگہ۔تبت اور لداخ کی درمیانی سرحد حسب دستور قدیم رہے گی۔رودوک کے لوگ نمک اور اُونی اشیاء کی برآمد اور جَو اور جَو کے آٹے کی درآمد پر کسی قسم کی پابندی عاید نہیں کریں گے۔کوئی فریق موجودہ قواعد کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور محصول چونگی اور بار داری اشیاء کی شرح ہر دو متعلقہ فریق مقرر کیا کریں گے۔محولہ بالا قواعد کا اطلاق رونگپاؤں (یعنی باشندگان علاقہ وادی) پر بھی ہُوا کرے گا۔شمال اور مغرب کے نوواردوں کو جو رودوک کے راستے آئیں، حاکم متعلقہ پروانہ راہداری دیا کریں گے۔ایسے لوگوں پر وُہ محصول چونگی عاید کیا جائے گا جو اُن کے پروانہ جات راہ داری میں درج ہو۔اگر اُن میں سے کوئی پروانہ راہ داری پیش نہ کر سکے تو اُسے عام مقدار سے پچاس گنا تاوان دینا پڑے گا۔اِس قسم کی وصولیاں جو افسران چونگی کریں، اُن کے کسی مقدمہ کی سماعت نہ ہو سکے گی۔ تمام اہم اُمور کے فیصلہ کی خاطر ہر دو جانب کے حکام رسم و رواج کو ملحوظ رکھیں گے۔اور بار برداری وغیرہ کے مہیا کیے جانے کے متعلق قدیم قواعد کی پابندی کریں گے۔اُن چراگاہوں میں مویشی چرانے کے لئے جو گورنمنٹ تاجروں کے مویشی چرانے کی خاطر وقف ہوں، کسی قسم کی روکاوٹ نہ ہو۔لیکن لوگوں کو اِس رعایت کے ناجائز استعمال کی اجازت نہیں ہوگی کہ وُہ بیرونجات سے

مویشی لائیں اور یہاں آکر چرائیں۔ ہر دو فریق نہایت سختی کے ساتھ اس معاہدہ کی پابندی کریں گے جو تبت اور سنگپاؤں (کشمیریوں) کے درمیان طے پایا۔ اور ہر دو سرحدی آفیسر کامل اتحاد اور باہمی امداد کے ساتھ کام کریں گے۔"

معاہدہ مذکور کی دو نقلیں مرتب کی گئیں۔ اور اس پر حاکم لداخ مہتہ بستی رام اور تبتی گورنر کیلون ریزن کے دستخط ثبت ہیں۔ اس پر گواہ کے طور و نگیال پرائیمویٹ ملازم کیلون ریزن کے دستخط ہیں۔

مہتہ منگل تھانیدار

مہتہ منگل لداخ کا ایک ہر دلعزیز حاکم ہو گزرا ہے اور آج تک مہتہ منگل کا نام لداخ کے سارے علاقہ میں بڑی عقیدت سے لیا جاتا ہے۔ مہتہ منگل لداخ میں ۵ سال تھانیدار رہا۔ اپنے عہد کے قلیل سے عرصہ میں لداخ کی ترقی اور تعمیرات میں اس نے بہت بڑا کام کیا۔ لداخ میں ۱۸۵۵ء سے ۱۸۶۰ء تک حکومت کی۔ اس عرصہ میں اُس نے لداخ میں سرسری بندوبست کر کے مالیہ کے انتظام میں کافی اصلاح کی۔ اور لداخ اور تبت کے درمیان حد بندی کا کام کر کے اُس نے اپنی انتظامیہ اہلیت کا شاندار ثبوت دیا۔

مہتہ منگل نے مہتہ بستی رام کے تعمیر کردہ قلعہ کو بہت زیادہ وُسعت دی۔ اُس کے ساتھ کئی ایک عمارات تعمیر کیں اور قلعہ کے قدیم و جدید حصّہ کے چاروں طرف فصیل و خندق بنوا کر اس قلعہ کو ہر طرح سے مستحکم کر دیا۔

مہتہ منگل نے لداخ میں چند ایک نئی بستیاں بھی تعمیر کرائیں۔ چنانچہ رنبیر پور۔ رام پور داخلی چھوٹ۔ پرتاپ پور۔ منگل چک قابلِ ذکر آبادیاں ہیں۔ جہاں کہ آبپاشی کے لئے نہریں بنوائیں۔ اور غلام زادوں کو ان آبادیوں میں لاکر اُنہیں زراعتی آلات و بیج وغیرہ دے کر آباد کیا اور رعایتی مالیہ لگاکر

کار سرکار سے انہیں دوامی معافی دی۔ اور اس طرح لداخ میں زراعت کو ترقی دینے کا بہت بڑا کام کیا۔ جس کی اُس زمانہ میں بے حد ضرورت تھی۔ یہ مہتہ منگل ایسے معمار کی ذہانت کا نتیجہ ہے کہ کشمیر، کلو اور لہاسہ کو جاتے والی ہر سڑکوں پر اُس نے پڑاؤ در پڑاؤ مسافرخانہ اور سرائیں بنوائیں اور اکثر دیہات میں ایسے مکانات سرکاری طور پر بنوائے جہاں کہ مسافر آتے جاتے شب باشی کے لئے قیام کرتے رہے۔

مہتہ منگل نے لیہہ میں ایک سنسکرت پاٹھ شالہ قائم کی۔ اور طلباء کو وظیفہ دے کر تعلیم کا شوق دلایا۔ اور اکثر غلام زادگان کو بھی اِس پاٹھشالہ میں داخل کر کے تعلیم دلانے کا انتظام کیا۔ لداخ کے اِسی مشہور حاکم نے وہاں ڈاک کا سلسلہ جاری کر کے ہرکارے مقرر کئے۔

لداخ ایسے علاقہ میں جہاں کہ آبادی کم اور منتشر واقع ہوئی ہے، مسافروں کے لئے انتظام باربرداری ہر پڑاؤ پر رکھنے کا زمینداروں کو باری باری سے حاضر رہنے کا دستور قائم کیا۔ اِس انتظام کو لداخی زبان میں ریس کہا جاتا ہے۔ اِس طرح مسافروں اور سیاحوں کو سفر میں اپنے لئے باربرداری کی کافی سہولیت مل گئی۔ اور اِس قسم کے انتظام کو لداخی عوام نے بے حد پسند کیا۔

مہتہ منگل نے لداخ سے درآمد اور برآمد ہونے والی اشیاء کی تجارت کو بہت زیادہ فروغ دیا۔ خاص طور پر لداخی نمک کو سرکاری طور پر کشمیر بھیج کر فروختگی کا انتظام بھی کرایا۔ قصبہ لیہہ میں ایک باغ گلاب منڈی (عمارت کچہری) کے ساتھ لگایا اور سارے علاقہ لداخ میں کثرت سے باغ لگوائے۔ اور سڑکوں کے کنارے جابجا سفیدہ کے درخت بھی

نصب کئے۔

مہتہ بستی رام نے لداخ کے بازار کی جو تعمیر شروع کی تھی وہ مہتہ منگل کے عہد میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ کہا جاتا ہے کہ کوہستان ہمالیہ کے اکثر قصبہ جات میں لیہہ کا یہ بازار بلحاظ خوبصورتی تعمیر، ترتیب مکانات و کشادگی اپنی مثال آپ ہے۔ مہتہ موصوف کے ہی عہد میں سرکاری ملازمین کے لئے ایک سرکاری حکیم کا تقرر عمل میں آیا اور سرکاری ادویات مہیا کی گئیں جو کہ ملازمین کا مفت علاج کیا کرتا تھا۔ مولوی حشمت اللہ تاریخ لداخ میں لکھتے ہیں کہ "مگنا تھانیدار کی تجویز کے مطابق وصولی مالیہ تقریباً بتیس سال تک جاری رہا۔ لیکن مہتہ منگل نے اس میں ترمیم کی۔ اور مگنا تھانیدار کی درجہ بندی حقیت اور شرح مالیہ کو قائم رکھ کر اسے اصلی حقیت کا نام دیا اور اس کے اوپر ان حقیتوں کو جن پر مالیہ کی ادائیگی بند ہو گئی تھی یا جو سابقہ تشخیص میں زیر جمع لائے جانے سے رہ گئی تھیں یا بعد از تشخیص سابقہ جو رقبہ نوتوڑ ہوا تھا، ان سب کا تعین کر کے ان پر جمع قائم کی۔ اور دو فصلی دیہات کی شرح مالیہ میں اضافہ کر دیا اور دیگر جزوی اصلاحات مالیہ کے انتظام میں کیں۔" اس طرح مالیہ میں بتدریج اصلاح کر کے آمدنی میں باقاعدگی پیدا کر لی۔ مہتہ منگل نے جو انتظامات مالیہ میں اصول قائم کئے بعد میں بندوبست اراضی کے دوران میں بھی اسی بنیاد کو بہت حد تک پیش نظر رکھا گیا۔

سید اکبر علی وزیر لداخ

مہتہ منگل تھانیدار کے بعد وزیر شیب سرن ایک سال لداخ کا تھانیدار رہا۔ اس نے بھی قصبہ لیہہ میں ایک باغ موسومہ وزیر باغ تیار کرایا۔ اس باغ کے اندر بعد میں یارقندی سرائے، چرس گودام۔ گرجا اور مشن ہسپتال تعمیر ہوئے۔ وزیر

تھب سرن کے بعد سید اکبر علی کو سرکار جموں کی طرف سے حاکم لداخ بنایا گیا۔
اس حاکم لداخ کا خطاب تھانیدار کی بجائے وزیر قرار دیا گیا۔ جو تین سال
تک وہاں رہا۔ اور اُس نے لداخ میں جموں کے حکومتی قانون کو رائج کر کے
مہاراجہ کے نام پر سکّہ جاری کیا اور لداخی مسلمان عورتوں کو سر پر چادر
اوڑھنے کا رواج دیا۔ اور لداخیوں کو جسمانی صفائی اور ہاتھ مُنہ دھونے
کا عادی بنایا۔ سید اکبر علی وزیر نے لداخ میں اور بھی چند اصلاحات جاری
کیں۔ اور ایک باغ بھی لیہہ میں نہال کیا۔ سید علی اکبر لداخ میں ۱۸۶۶ء
سے ۱۸۶۹ء تک وزیر رہا۔

سید اکبر علی کے بعد لداخ کا وزیر مسٹر ڈرو جو ایک عالم آدمی تھا،
مقرر ہوا۔ جو صرف ایک سال وہاں رہا۔ اس نے غلام زادگان اور بیرونی
لوگوں کو مکان تعمیر کر کے بسایا۔ مالیہ میں کسی حد تک معافی اور زراعت میں
ترقی دینے کے لئے قرضہ دے کر نو آبادیوں میں آباد کیا۔ مسٹر ڈرو نے ریاست
جموں وکشمیر کا جغرافیہ اور جیالوجی پر ایک کتاب تصنیف کی۔ اس کتاب
میں تاریخی وسیاسی امُور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور یہ پہلا مکمل جغرافیہ
ریاست کا ہے۔ اس کا نائب بھائی گنگا سنگھ تھا جو نہایت ہی ذہین
اور قابل آدمی تھا۔ مسٹر ڈرو کو اس پر بڑا بھروسہ تھا۔ بھائی گنگا سنگھ
نے لداخ میں بہشت باغ بنایا۔

مسٹر جانسن وزیر

مسٹر جانسن لداخ میں گیارہ بارہ سال وزیر رہا۔
اس کا عہدِ وزارت ۱۸۷۱ء سے ۱۸۸۱ء تک
ہے۔ یہ پہلے لداخ کے لئے محکمہ مساحت ہند کا ملازم تھا۔ بعد ازاں
ریاست جموں وکشمیر کی ملازمت میں داخل ہو کر لداخ کا وزیر مقرر ہوا۔

اس نے لداخ میں ایک سرائے بنائی جسے بلتی سرائے کہا جاتا ہے۔ یہ سرائے اُن بلتیوں کی رہائش اور قیام کے کام آتی ہے جو بلتی بلتستان سے مکھن اور خشک میوہ کی تجارت کے لیے لداخ میں آتے ہیں اور لداخ سے اُون، پشمینہ، نمک اور چائے لے جاتے تھے۔

مسٹر جانسن نے لداخ میں جا بجا باغ تیار کرائے اور نہریں بنائیں۔ مسٹر جانسن نے موضع منسر جو کہ نارس کو رسوم لہاسہ کے درمیان میں بطور ایک جزیرہ کے واقع ہے، اس پر مالیہ مقرر کیا۔ روپشو اور ٹانچی کے زمینداروں سے چمڑوں کی وصولی شروع کی جس کی کہ پوستین تیار کی جاتی ہے۔ روپشو، ہیمس اور رونگ کے علاقوں پر جھیل تھوگجے کے نمک سے فائدہ اُٹھانے کے لئے محصول نمک لگایا۔ علاقہ نوبراہ سے شورہ قلمی اور کوئلہ اور لنگشٹ کی کان سے برآمد ہونے والی ہڑتال پر رسُوم مقرر کی سوہاگہ کو صاف کرنے کا رواج دیا۔ لوہے کی کان کنی کے کام میں اصلاح کر کے رسوم لگائیں لیکن آج کل اِن کانوں سے فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا۔ کیونکہ ہندوستان سے یہ تمام چیزیں یہاں ارزاں مہیا ہوتی ہیں۔ یہاں سبز پتھر، تانبہ، سیلسہ، نیلا تھوتھا، پھٹکڑی وغیرہ کی کانیں موجود ہیں۔ لیکن سب بے کار پڑی ہیں۔ اِن سے کوئی کام نہیں لیا جاتا۔

کرایہ کشی کے گھوڑوں پر زر مرکب اور کشمیر و کرگل سے کرایہ کشی کے جانوروں پر جو لداخ میں داخل ہو زرِ مہنتانہ لگایا۔ علاقہ لہاسہ کے سوداگروں پر رسوم درآمد مقرر کیں۔ مالیہ اراضی پر سوائی کے قریب ایزادی کی۔ غریب زمینداروں کو سرکاری طور پر بیج دینے کا رواج دیا۔ سرکاری بھیڑ بکری پر جنسی کی بجائے نقدی رسوم مقرر کیں۔ سوداگران سرکاری سے رقم پیشگی کے

شود کے عوض پشمینہ وصول کرنے کا انتظام کیا اور مہتہ منگل کے بندوبست اراضی میں ترمیم کی گئی۔

مسٹر جانسن کا دربار صبح و شام ہر کسی کے لئے کھلا رہتا تھا اور لوگ انصاف پاتے تھے تمام کارروائی زبانی ہوتی تھی۔ مثل بنانے کا دستور نہ تھا۔ اور مسٹر جانسن درخواست کی پشت پر ہی مختصر الفاظ میں فیصلہ لکھ کر سائل کے ہاتھ میں دے دیتا تھا۔ اِس ارزاں اور تیز انصاف کو آج بھی لداخ کے علاقہ میں یاد کیا جاتا ہے۔ اُس نے لداخ کی ایڈمنسٹریشن کو بہت اعلےٰ اور باقاعدہ رکھا تھا۔ اِس کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ بہت رنگین مزاج آدمی تھا۔ جو ناچ تماشا کا شوقین تھا۔ اِس کے عام دربار میں چھنگ اور چائے کے دَور صبح سے شام تک چلتے تھے اور ہر قسم کے آدمی کی اُس تک رسائی تھی۔

مسٹر جانسن کے بعد رائے بہادر پنڈت رادھاکشن کول وزیر کے طور چار سال ۱۸۸۴ء سے ۱۸۸۸ء تک حاکم لداخ رہا۔ جس نے کاربیگار کے انتظام میں اصلاح کی اور لداخ میں باقاعدہ ڈاک خانہ قائم ہوا۔ رائے بہادر سے بعد خان بہادر سردار محمد اکبر خان تین سال وزیر لداخ رہا۔ اور اُس کے بعد چوہدری خوشی محمد مہتمم بندوبست اور وزیر چار سال تک رہا۔ جس نے لداخ اور زانسکار کا بندوبست قانونی زیر نگرانی مسٹر ٹالبوٹ کمشنر بندوبست کیا اور لداخ ریاست جموں و کشمیر کی ایک اکائی کے طور قانونی اور آئینی حکومت سے فیض یاب ہوا۔

لداخ تجارت کی منڈی

لداخ کا مرکزی شہر لیہہ ترکستان چینی اور تبت کے علاوہ ہندوستان کے کوہستانی اور میدانی علاقوں کے تجارتی مال و سامان درآمد برآمد کی منڈی تھی ۱۹۴۷ء تک چینی ترکستان سے نمدے۔ ریشمی کپڑے اور ریشم خام۔ قالین۔ پشمینہ اور موٹا

سُوتی کپڑا درآمد ہوتا تھا۔ یارقندی اور بدخشانی گھوڑے بھی ہندوستانی علاقوں میں فروختگی کے لئے بیوپاری لوگ اِسی راستے لاتے تھے۔ چین اور رُوس کے بنے ہوئے چینی کے برتن۔ چاندی۔ سوتے کی مٹی۔ اُونی فرش وغیرہ چیزیں لیہہ کی منڈی میں آتی تھیں۔ اور لداخ کی اس منڈی سے قندِ سیاہ۔ شکر۔ سُوتی اور ولایتی کپڑے اور دباغت شدہ چمڑا۔ مونگا وغیرہ برآمد ہوتا تھا۔ لہاسہ سے لداخ میں چینی۔ چائے۔ فیروزے۔ مُشک نافہ۔ ادویات۔ پشمینہ۔ اُون۔ ریشمی کپڑے۔ پیتل اور تانبہ کے برتن۔ چرم۔ پوستین وغیرہ درآمد کی جاتی تھیں۔ اور لداخ سے خشک میوہ۔ خوبانی۔ گیہوں۔ جَو۔ اُونی کمبل اور بلتستانی شال پشمینہ برآمد ہوتی تھیں۔ غرضیکہ لیہہ کا شہر وسط ایشیا اور ہندوستان کے لئے ایسی چیزوں کی بڑی بھاری تجارتی منڈی کے طور مشہور رہا۔ لداخ میں گرم (جَو) اور گیہوں پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی لوگوں کی خوراک ہے۔ لداخ کی زمین یک فصلی ہے اور سطح سمندر سے دس ہزار سے پندرہ ہزار فٹ کی بلندی تک پھیلی ہوئی اراضی کے ٹکڑوں میں کاشت ہوتی ہے۔ جو اراضی مزروعہ آبپاش ہوتی ہے' وہ زمین زرخیز بھی ہے اور اُس میں فصل تھوڑے عرصہ میں تیار ہو جاتی ہے۔ فصل ربیع میں گیہوں۔ گرم۔ سرسوں۔ مسُور اور فصل خریف میں ترہبنہ۔ کنگنی اور چینیا پیدا ہوتے ہیں۔ ترکاریوں میں شلجم۔ ساگ اور پیاز کی کاشت کی جاتی ہے۔ اب گوبھی۔ ساگ کرم۔ ولایتی شلغم۔ چقندر اور آلو وغیرہ بھی کاشت کئے جا رہے ہیں۔ لداخ کے نچلے علاقوں میں اخروٹ۔ خوبانی۔ سیب۔ انگور اور بے دانہ توت کے میوہ جات کسی قدر ضرور پائے جاتے ہیں۔ لیکن اُوپر کے علاقوں میں کوئی میوہ پیدا نہیں ہوتا۔

لداخ کے چند ایک نالہ جات میں بدم کا درخت پایا جاتا ہے۔ جیسے

لداخی لوگ بڑا مقدس خیال کرتے ہیں۔ اس علاقہ میں جنگل کا نام و نشان نہیں۔ پہاڑوں کے دامن اور نالوں میں خود رو درخت ہوتے ہیں اور ان درختوں کی لکڑی جلانے کے کام لائی جاتی ہے۔ لوگ عموماً گھوڑے کی لید اور جڑی بوٹی سے کھانا پکاتے ہیں۔ یہاں سردی کی شدت میں بھی لوگ آگ نہیں تاپتے بلکہ جوں جوں سردی کا زور ہوتا ہے، لوگ اُونی کپڑوں پر کپڑے پہنتے جاتے ہیں۔ یہاں شدت سردی کا اندازہ پہنے ہوئے لباس سے کیا جاتا ہے کہ ایک چوغہ کی سردی ہے یا دو چوغہ کی عمارتی اور گھریلو ضروریات کے لئے سفیدہ اور بید کے درخت لگائے جاتے ہیں۔ لیکن زیادہ بلند علاقوں اور پہاڑوں میں یہ درخت کبھی نہیں ہوتے۔

معدنیات زمانہ قدیم میں معدنیات از قسم سونا دریائے سندھ اور شیایوک کے کنارے سے زمین کھود کر نکالا جاتا تھا۔ اور لداخ کا یہ سونا بہت مشہور تھا جو کہ بکثرت ہوتا تھا۔ لیکن اب اس کام کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ سونا کی برآمدگی کے لئے زمین کی قوت قدرتی طور پر ختم ہو چکی ہے گو کہ سونا نکالنے کی کانیں آج تک بھی جا بجا دریاؤں کے کنارے موجود ہیں۔

لداخ اور بلتستان میں گرم پانی کے چشمے بکثرت اُبل رہے ہیں۔ کئی ایک چشموں کا تو پانی اتنا گرم ہے کہ اُن میں چاول بھی پک سکتے ہیں۔ جو چشمے گندھک کی کانوں کے نزدیک ہیں، اُن کے پانی میں گندھک کی ملاوٹ ہے لیکن بعض چشموں کا پانی اس قدر صاف و شفاف ہے کہ گندھک کی مطلق بو نہیں۔ ان چشموں میں غسل کرنے سے مخصوص امراض کے کئی مریض شفا پاتے ہیں۔

جنگلی جانور لداخ کے کم بلندی کے پہاڑوں میں جنگلی بھیڑ و اور اونچے

پہاڑوں پر کبیل بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اور میدانی علاقوں میں جنگلی گدھے اور نالہ جات میں جنگلی یاک اور بعض جگہوں پر خرگوش عام ہیں۔ چکور۔ کبوتر اور مرغ آبی بھی عام پائے جاتے ہیں۔ دریاؤں میں مچھلی افراط سے ہے۔ لیکن لداخ کے بودھ اس کا شکار کرنا گناہ خیال کرتے ہیں۔

رسم و رواج

لداخ کے بودھوں میں ذات پات اور اونچ نیچ کی کوئی تمیز نہیں۔ پیشہ کے لحاظ سے مختلف فرقے ہیں مثلاً راجہ۔ وزیر اعظم۔ رئیس۔ تحویلدار۔ حکیم۔ نجومی۔ زمیندار۔ ترکھان۔ سنار۔ لوہار۔ چمار اور باجہ بجانے والے کل بارہ فرقے ہیں۔ یہ سب بودھ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور فرقہ ہے جسے ارغون کہتے ہیں۔ یہ فرقہ لداخیوں کے ساتھ کشمیری اور یارقندی مسلمان کے اختلاط سے پیدا ہوا ہے۔ لداخ میں کشمیر اور بلتستان کے مسلمان بھی آباد ہیں کشمیریوں کی آبادی قصبہ لیہہ میں اور بلتیوں کی آبادی دیہات میں پائی جاتی ہے۔ ان مسلمان فرقوں کے درمیان قومیت کی کوئی تمیز نہیں۔

وراثت کا رواج اور شادی کی رسوم

بودھوں میں وراثت صرف بڑے بیٹے کو پہنچتی ہے۔ اگر اولاد نرینہ نہ ہو تو بڑی بیٹی اس صورت میں وارث تسلیم کی جاتی ہے کہ وہ شادی کر کے اپنے خاوند کے گھر نہ چلی گئی ہو۔ اگر وہ اپنے خاوند کے گھر بود و باش اختیار کر لے تو باقی لڑکیوں میں سے بڑی لڑکی کو وارث قرار دیا جاتا ہے۔ اگر سب لڑکیاں شادی کے بعد اپنے شوہروں کے گھروں میں آباد ہو جائیں تو وراثت کی حقدار تصور نہیں ہوتیں۔ اور وراثت دوسرے درجے کے وارث کو مل جائیگی۔ لیکن اگر کوئی بیٹی اپنے شوہر سے قطع تعلق کر کے اپنے باپ کے گھر واپس آجائے

تو وُہ اصل وارث قرار دی جائے گی لیکن لاولدی کی صورت میں لداخی لبودھ کو اپنے نزدیک کے رشتہ داروں اور بھائیوں کی رضامندی سے متبنیٰ بنانے کا اختیار ہے اور وہ کسی غیر آدمی کو متبنیٰ بنا سکتا ہے اور اُسے وراثت کے تمام حقوق اصل اولاد کی مانند حاصل ہوتے ہیں۔

خاوند کے مرنے کے بعد بصورت لاولد ہونے کے بیوہ کو وراثت کے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ اگر وُہ دُوسری شادی کر کے مرحوم خاوند کا گھر چھوڑ کر چلی جائے تو محروم الارث ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر وُہ اپنے خاوند کے گھر میں ہی بیٹھی رہے اور اپنی نئی شادی کر کے اپنے نئے خاوند کو بھی اپنے پاس رکھ لے اور دونوں میاں بیوی کے طور رہیں تو اُن کی اولاد وارث ہوتی ہے۔

لداخ میں شادی کے دو طریقے ہیں۔ اوّلاً جو لڑکی اپنی شادی کے بعد شوہر کے گھر جا کر آباد ہو جائے اُسے لیگما کہا جاتا ہے۔ اور جو لڑکا اپنی شادی کے بعد اپنی بیوی کے پاس اُس کے والدین کے گھر میں رہنے لگ جائے اُسے مقپا کا نام دیا جاتا ہے یعنی کہ وُہ گھر داماد ہو کر اپنے باپ کے حقوق وراثت کو زائل کر دیتا ہے۔ لیگما اور مقپا کے طور لڑکے اور لڑکی کا اپنے اپنے سُسرال کے ہاں رہنا لداخ میں عام ہے۔ مقپا شوہر کی صورت میں بیوی سے علیحدگی اختیار کرنے پر طلاق بیوی کی طرف سے دیا جانا ضروری ہے۔ مقپا شوہر (خانہ داماد) کی صورت میں بیوی کی جتنی بہنیں ہوں گی وُہ سب کا مشترکہ شوہر ہوگا۔ اور لیگما بیوی کی صورت میں اُس لڑکی کو اپنے شوہر کے بھائیوں کی مشترکہ بیوی بن کر رہنا ہوتا ہے۔ عام طور پر تین سے زیادہ بھائی ایک بیوی میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن اب یہ رواج آہستہ آہستہ بلکہ قانونی طور پر ختم کر دیا گیا ہے۔ وُہ اشخاص جن کا سلسلہ نسب باپ یا ماں کی طرف سے سات پشت کے اندر مل جاتا ہو، آپس میں شادی نہیں کرتے۔ معززین اور راجوں کے درمیان پانچ

مہتہ بستی رام لفٹننٹ جرنیل زورآور سنگھ
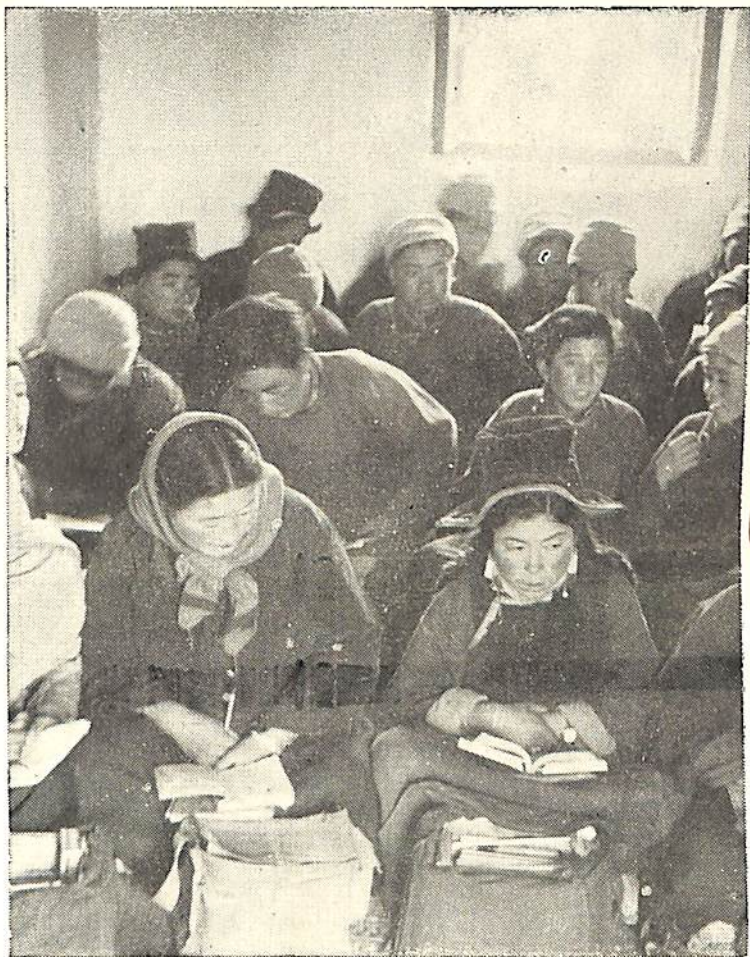
لیہہ سکول کی ایک کلاس میں لداخی طلبا و طالبات

پشت تک اِس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

آج کا لداخ

ریاست جموں و کشمیر کا سرحدی ضلع لداخ، جس کی آبادی بکھری ہوئی ہے، لیہہ، کرگل اور اسکردو کی تین تحصیلوں پر مشتمل ہے۔ جہاں تک تحصیل اسکردو کا تعلق ہے، یہ ۱۹۴۷ء سے برابر پاکستان کے غیر قانونی قبضہ میں ہے۔ ضلع کی آبادی ۸۸ ہزار سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ اور یہ ۲۵۹ دیہات پر پھیلا ہوا ہے۔ انتہائی مشرق میں واقع لیہہ ضلع کی سب سے بڑی تحصیل ہے۔ یہ تحصیل ۱۵ علاقوں اور ۱۱۰ دیہات پر مشتمل ہے اور اِس کی آبادی ۲۵ ہزار ہے۔ تحصیل کا رقبہ ۲۶۰۰۰ مربع میل ہے۔ جبکہ ضلع کا رقبہ ۴۴۰۰۰ مربع میل ہے، جو ریاست کے کُل رقبہ کے ۵۰ فی صد سے بھی زیادہ ہے۔

ماضی میں لداخ کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا رہا ہے۔ تبتی بیں اسے لاڈواگس کہا جاتا ہے۔ اسے ماریل، رنشیبی علاقہ، سُرخ علاقہ اور کھاچم پا یا برفانی علاقہ کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ فاہیان نے اِسے مالونو کا نام دیا ہے۔ بعض لوگوں نے اِسے چھہ رنگوں رشیوں اور گونپاؤں کی سرزمین قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اِسے لاماؤں کی حیرت انگیز دھرتی کا نام دیا ہے۔

طبقات الارض کے کچھ ماہرین کے بیان کے مطابق بہت زیادہ عرصہ گزرا نہیں ہوگا جب لداخ سمندر کے نیچے تھا۔ بعد میں جب یہ سمندر سے اُبھر آیا تو یہ برف کی ایک چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ تب سے برف کی یہ چادر برابر پھیلتی جا رہی ہے۔ ان ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ کوہ قراقرم کے برف سے سدا ڈھکے رہنے والے ڈھلوان اِس برف پوش چادر یا کلاہ کے آثار ہیں۔

سنہ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق لداخ کی کُل آبادی ۸۸۶۵۱ ہے۔ جس میں سے ۴۶۹۷۲ مرد اور ۴۳۶۷۹ عورتیں ہیں۔ ضلع کی آبادی میں ۶۳۱۱ افراد یعنی ۷.۶ فی صد کا اضافہ ہوا ہے جبکہ سنہ ۱۹۵۱ء کے دوران یہاں کی آبادی میں ۹.۴۴ فی صد کی بڑھوتری ہوئی تھی۔

ضلع کی طبعی ساخت کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ علاقہ کے پہاڑی سلسلے، جو اس کے بیچوں بیچ گزرتے ہیں، جنوب مشرق سے شمال مغرب تک ایک دُوسرے کے متوازی پھیلے ہوئے ہیں۔ مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے یہ سلسلے ہیں: ـــ ہمالیائی سلسلہ۔ زانسکار کا سلسلہ۔ سلسلہ لداخ سلسلہ مستگ اور کیون لین ـــ اِن پہاڑی سلسلوں کا عمومی رُخ علاقہ میں دریاؤں کی گذرگاہوں کو متعین کرتا ہے۔

سندھ ضلع کی خاص وادی ہے جو علاقہ کے سارے طول میں جنوب مشرق سے شمال مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ اِس وادی میں کئی چھوٹی چھوٹی نادیاں ہیں جو دریائے سندھ کے معاون دریاؤں کے لئے بنیادیں بنتی ہیں۔ اِن معاون دریاؤں میں زانسکار اور شیوک نمایاں اہمیت کے حامل ہیں۔ دریائے شیوک کے بھی معاون ہیں نوبرا اور چھنگ چھمو۔

تحصیل لداخ کے مغربی حصّے میں پہاڑیوں سے گھری ہوئی متعدد جھیلیں ہیں جن میں بہت سی ندیاں جا ملتی ہیں۔ سارگ اور جدگانگ کے سوائے یہ سب نمکین جھیلیں ہیں۔

شمال سے جنوب تک پھیلی ہوئی اِن جھیلوں میں امٹوگر جھیل۔ سارگ جھیل۔ جدگانگ جھیل۔ سپنگر جھیل۔ پنگانگ جھیل اور سُومراری جھیل بڑی جھیلیں ہیں۔ اِن میں سے پنگانگ جھیل سب سے بڑی ہے۔ یہ جھیل ۴۰ میل

لمبی اور ۳ سے ۴ میل تک چوڑی ہے۔ اور اس کی گہرائی ۱۵۰ فٹ تک ہے۔ سپنگھہ یا کرڈوی جھیل کی لمبائی ۱۶ میل اور چوڑائی ۳ میل ہے۔ اس کا پانی انتہائی تلخ ہے لیکن اس بات کے شواہد پائے جاتے ہیں کہ کسی زمانہ میں یہ تازہ پانی کی جھیل رہی ہوگی۔

خطۂ اکسائی چن لمنگھ ٹلینگ اور اکسائی چن بنجر خطے ہیں اور یہ ۱۷ سے ۱۸ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہیں۔ یہاں کے میدان لہردار اور پہاڑیاں نشیبی ہیں۔ اس بات کے آثار پائے جاتے ہیں کہ یہ خطہ کسی زمانہ میں ایک وسیع جھیل کا طاس رہا ہوگا۔ اس خطے میں اس وقت بھی دو جھیلیں ہیں جو ۱۶ سے ۶۰ میل کے رقبہ پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اپریل۔ مئی اور جولائی میں جب برف پگھلتی ہے تو یہ اس سے بھی زیادہ رقبہ کو گھیر لیتی ہے۔

اس کے برعکس چنگ چمپو وادی نواحی دیہات لوننگ، فوبرنگ ٹنکٹی کے مویشیوں کے لئے خاصی بڑی چراگاہ کا کام دیتی ہے۔

لوگ۔ لباس اور عادات لداخ کی آبادی کم سے کم تین مخصوص قسم کے لوگوں کے باہمی رابطہ کے ایک طویل عمل کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے۔ پہلی دو قسم کے لوگ آریہ نسل کے ہیں جن کی نمائندگی گلگت کے درد اور شمالی ہند کے مون کرتے ہیں۔ غالباً یہ لوگ وادیٔ کشمیر سے زمانہ قدیم میں آکر لداخ میں بس گئے ہیں۔ اس علاقہ میں بسنے والی تیسری قسم کے لوگ منگول نسل سے تعلق رکھتے ہیں جن کی تعداد پہلی دو قسم کے لوگوں سے زیادہ ہے۔

عورتیں کالی اونی فتوئیاں اور گھٹنوں کے نیچے تک لٹکنے والے رنگا رنگ دھاری دار اونی لہنگے پہنتی ہیں۔ اور وہ اوپر سے بھیڑ کی کھال اوڑھ لیتی ہیں۔ جس کی اون اندر کی جانب رہتی ہے۔ اس کھال کو آگے سے لوہے یا پیتل کی

بڑی سُوئیوں سے بند رکھا جاتا ہے۔

مرد موٹے اُونی چُغے پہنتے ہیں۔ وُہ سر پر رُوئی بھری یا بھیڑ کی کھال سے بنی موٹی ٹوپیاں دھارن کر لیتے ہیں۔ اِس ٹوپی کا ایک حصہ جو پیچھے کی جانب لٹک رہا ہوتا ہے، گردن اور کانوں کو ڈھک لیتا ہے۔ اِن کے بُوٹ نمدے کے بنے ہوتے ہیں اور اِن کے تلے بھیڑ کی کھال کے ہوتے ہیں اور اِنہیں عموماً رنگ برنگے کپڑے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے سجایا جاتا ہے۔

لداخ کے لوگ سیدھے سادے ہیں۔ اکثر اِن کی غذا جَو سے تیار کیا ہوا شوربہ یا مکھن والی چائے کے ساتھ کھائی جانے والی ایک قسم کی روٹی ہے۔ یہ لوگ تندرست، جسمانی اعتبار سے توانا اور محنتی ہوتے ہیں۔

مذہب

ضلع کے تمام غیر مسلم باشندے بودھ ہیں۔ بُدھ مت یہاں اشوک کے عہد میں رائج ہوا ہے۔ دُنیا میں لداخ ہی ایسا خطہ ہے جہاں مذہبی رواداری کی قابلِ تقلید مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ تقریباً ہر لداخی کسی نہ کسی مذہب سے وابستہ ہے۔ ایک ہی کُنبے میں مختلف مذاہب کے ماننے والے تین بھائی خوش خوش رہتے ہیں۔ اگر ایک بھائی بودھ ہے تو دُوسرا مُسلمان اور تیسرا عیسائی ہو سکتا ہے۔ اور تینوں ایک ہی گھر میں ایک ہی چھت کے نیچے مِل جُل کر رہتے ہیں۔

کردار

لداخیوں کی فطرت میں زندہ دِلی، ایمانداری اور کام کرنے کی لگن کی خوبیاں رچی بسی ہوئی ہیں۔ ایک لداخی فطرتاً امن پسند ہے۔ لداخ میں قتل کی وارداتیں شاذ ہی ہوتی ہیں۔ اور بچوں کو مارنے کے واقعات کا یہاں نام و نشان بھی نہیں۔ سال میں یہاں چوری چکاری کی چند ایک وارداتیں ہوتی ہیں۔

لداخی دوشیزہ اپنے روائیتی لباس میں

ایک لداخی نوجوان جس نے اپنی رضاکارانہ خدمات
لداخ ملیشیا کے لئے وقف کر رکھی ہیں -

لداخ کے زندہ دِل لوگ موسیقی کے دِلدادہ ہیں۔ اگر تیوہاروں کی تقریبوں پر گیت نہ گائے جائیں اور ناچ تماشے نہ کھیلے جائیں تو انہیں ادھورا سمجھا جاتا ہے۔ یہاں پولو اور تیر اندازی کو جو مقبولیت حاصل ہے، اس سے اِس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہاں کے لوگ کھیلوں کے بڑے شوقین ہیں۔

گومپا۔ چھورتن اور منی لداخ میں انسانوں کے بُود و باش اختیار کرنے کے لئے دو خاص عناصر ذمہ دار رہے ہیں۔ کھیتی باڑی کے لئے سہولیات۔ بودھ خانقاہوں کی موجودگی — یہ خانقاہیں لوگوں کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ عبادت گاہیں لداخیوں کی زندگی کا مرکز بن گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لداخ میں جابجا چھوٹی بڑی عبادت گاہیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ خال ہی کوئی ایسا گاؤں ہوگا جہاں کوئی گومپا نہ ہو۔ جہاں تک چھوٹے گومپاؤں کا تعلق ہے، وہ محض بڑے گومپاؤں کی شاخیں ہیں۔ ہر دیہات کی گذرگاہ میں چھورتنوں اور منی دیواروں کا ایک لمبا سلسلہ نظر آتا ہے۔ یہ ہمیشہ انسانی آبادی کے اولین آثار کا پتہ دیتے ہیں۔

ضلع لداخ میں ۱۶ گومپا ہیں۔ اِن میں سے دس لیہہ تحصیل میں اور چھ کرگل تحصیل کی زانسکار وادی میں ہیں۔ اِن میں سب سے اہم ہیمس، نیمون، سُپیتو، تھکسا، لگیا، لونگ شٹا، ستپیسول، ریزانگ، چمرے، ہتھے، سکٹی، ٹکٹاک، لکہ، شنکر، فیانگ ہیں۔ ۴۰۰۰ ہزار بودھ آبادی میں لگ بھگ ۱۵ ہزار لاما ہیں۔ ہیمس اور چمرے ہیں جو ایک ہی کوشک کے تحت ہیں، کُل ملاکر ۵۰۰ لاما ہیں۔

سبھی ہیڈ لاما کوشک نہیں ہوتے ہیں۔ کوشک بنایا نہیں جاتا بلکہ

پیدائشی ہوا کرتے ہیں۔ بدھوں کے عقیدے کے مطابق ایک کوشک مرنے کے بعد پھر کوشک کے روپ میں ہی جنم لیتا ہے۔ کیونکہ اُسے نروان حاصل ہو چکا ہوتا ہے اور وہ آواگمن کے چکر سے نجات پا چکا ہوتا ہے۔ ہیمس۔ مُستاک۔ فیانگ۔ رلکر اور سگیبا، ریزانگ۔ گومپاؤں میں کوشک ہوتے ہیں۔ ضلع بھر میں کوشکوں کی کُل تعداد سات ہے۔

رسل و رسائل کی ترقی

موجودہ حکومت جموں و کشمیر نے ۲۳۵ میل لمبی لیہہ کرگل روڈ کی تعمیر کو نمایاں ترجیح دی ہے۔

یہ سڑک یکم اگست ۱۹۶۰ء کو تیار ہوئی اور اسے اُسی روز ملکی گاڑیوں کی آمد و رفت کے لئے کھول دیا گیا۔ یہ راستہ ملک کے بلند ترین دروں سے گزرتا ہے جن میں ۱۱۳۰۰ فٹ بلند کپی ۱۱۔ ۱۲۴۰۰ فٹ اُونچا غیالا اور ۱۳۴۰۰ فٹ بلند فتولا شامل ہیں۔ سڑک کو کشادہ بنایا جا چکا ہے۔ اور اس پر اب باقاعدگی سے ٹرک اور بس گاڑیاں گزرتی ہیں۔ چنانچہ لیہہ تاریخ میں پہلی بار دُنیا سے اچھی سڑکوں کے ذریعہ مل گیا ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا ہے کہ علاقہ کی اقتصادیات اور اس کی سماجی زندگی میں ایک انقلاب سا آگیا ہے۔

ضلع میں ڈیفنس سروسز۔ اجتماعی ترقی کے محکمہ پبلک ورکس اور سرحدی سڑکوں سے متعلق تنظیم نے بہت سی نئی سڑکیں بنائی ہیں۔ لیہہ کو ۲۴ میل سڑک کے ذریعہ ہیمس سے ملا دیا گیا ہے جس پر جیپ گاڑیاں آجا سکتی ہیں۔ اسی طرح اسے چھ میل لمبے راستے کے توسط سے کھرونگلا کے دامن میں واقع گنگ لیس کے دیہات سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ علاقہ میں کچھ ایسی سڑکیں بنائی گئی ہیں جو دُنیا کی بلند ترین سڑکوں میں شمار ہوتی ہیں۔

اب ضلع میں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک آنا جانا بہت ہی آسان ہوگیا ہے۔ یہ لیہہ۔چشول سڑک اور جا بجا ایک دیہات کو دوسرے دیہات سے ملانے والی سڑکوں کی تعمیر کی بدولت ممکن ہو سکا ہے۔ چھوٹی بڑی سڑکوں کے علاوہ متعدد پگ ڈنڈیاں بھی بنائی جا چکی ہیں۔ چنانچہ سال ۱۹۶۲۔۶۳ء میں ۲۴ میل لمبی ایسی پگ ڈنڈیاں تعمیر کی گئیں جن پر گھوڑے آجا سکتے ہیں۔ آج لداخ میں شاید ہی کوئی ایسا گاؤں ہوگا جو کسی نہ کسی صورت میں قومی شاہراہ سے ملا ہوا نہ ہو۔

دریاؤں پر پل تعمیر کرنا اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ سڑکیں بنانا۔ لہٰذا اس کام کی جانب بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ عمارتیں بھی بنائی جا رہی ہیں۔ یہاں پچھلے سات برسوں میں متعدد عمارتیں بنائی جا چکی ہیں۔ جن میں ضلع ہسپتال کی عمارت، ۱۰ اسکول کی عمارتیں، ایک ڈاک بنگلہ اور ڈسپنسریوں کی دو عمارتیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ لیہہ کرگل سڑک پر تقریباً نصف درجن رہائشی بنگلے بھی بنائے جا چکے ہیں۔

جنگلات اگانے کی مہم

۱۹۵۷ء کے بعد حکومت جموں وکشمیر نے ضلع لداخ میں زیادہ درخت اگاؤ مہم کی جانب خصوصی دھیان دیا۔ صرف محکمہ جنگلات نے ہی ۵۹۔۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۲۔۶۳ء تک لیہہ۔کرگل۔نوبرا اور زانسکار کے خطوں میں ۷ لاکھ ۷۵ ہزار درخت اگائے اور اس کے بعد دو برسوں میں علاقہ میں اگائے گئے درختوں کی تعداد دس لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ اس کے علاوہ نجی باغوں میں بھی بہت ہی بڑی تعداد میں درخت لگائے گئے۔ ۱۹۶۲۔۶۳ء کے دوران تقریباً ۷۹۳ ایکڑ رقبہ میں درخت اگائے گئے۔ محکمہ جنگلات نے اپنے ۴۶ باغوں سے تقریباً ۲ ہزار

من ایندھن اکٹھا کیا جو لوگوں میں سات روپے فی من کے حساب سے فروخت کیا گیا۔ ان باغوں میں ۲۰۰ من گھاس بھی جمع کی گئی جو ضرورتمند اشخاص میں تقسیم کی گئی محکمہ جنگلات نے جنگلات کی دولت کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک لاکھ ۵۷ ہزار مکعب فٹ لمبی دیواریں بنائیں۔ محکمہ نے نالہ کے کناروں کے ان رقبوں کو محفوظ بنانے کے لئے ۲۵ من تار بھی استعمال کیا جن میں درخت اُگائے جا چکے ہیں۔

آبپاشی کی سہولیات میں توسیع

لداخ میں نہروں کی کھدائی بجائے خود ایک مسئلہ ہے۔ وہاں ایک نہر کو کہیں سخت پتھریلے علاقہ میں سے گزرنا پڑتا ہے تو کہیں اسے ریتلے صحرا میں سے۔ اور دریا کا پانی اپنے ساتھ اتنا تہ نشین مادہ بہا نہیں لے پاتا جو نہر کی تہ سے پیوست ہو کر پانی کے چونے پر کوئی مؤثر روک لگا سکے۔ اس لئے جب تک نہر کے طاس کو سیمنٹ سے پختہ نہیں بنایا جاتا اور اس کے بندھوں کی سنگ بندی نہیں کی جاتی، اُس وقت تک سیم کا امکان موجود رہے گا۔

حال ہی میں بھارت سرکار کا ایک سائنٹیفک وفد لداخ گیا تھا۔ جس نے موقعہ پر حالات کا جائزہ لینے کے بعد علاقہ کے پانی کے ذرائع سے پوری طرح فائدہ اُٹھانے کی سفارش کی۔ وفد نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ ضلع میں تحقیق و کھوج کے لئے ایک خاص اری گیشن ڈویژن قائم کیا جائے۔

دریں اثناء موجودہ فیانگ کوہل نئے سرے سے بنائی گئی ہے۔ اور اسے نئے تعمیر کئے گئے ذخیرۂ آب تک وسعت دی جا چکی ہے۔ فیانگ میں پانی جمع رکھنے کے لئے ایک تالاب بھی تعمیر کیا جا چکا ہے تاکہ اور زیادہ

زمین کو کھیتی باڑی کے قابل بنایا جا سکے۔ رنبیر پورہ کوہل کے کچھ حصے بھی نئے سرے سے بنائے جا چکے ہیں۔

وادیٔ نوبرا میں وارس کے دیہات میں آبپاشی کی ایک کوہل بنائی جا چکی ہے۔ بیانگ ڈانگدو کوہل بھی تعمیر ہو گئی ہے۔ اس کوہل کو ۶۲-۱۹۶۱ء کے دوران شروع کیا گیا تھا۔ تھرشا کوہل کے ہیڈ ورکس کی بھی مرمت کی گئی ہے جسے خاصا نقصان پہنچا تھا۔ وادیٔ چشول میں ایک نئی کوہل تعمیر کی جا چکی ہے اور یہاں پانی جمع رکھنے کے لئے ایک تالاب بھی بنایا گیا ہے۔

بجلی کی بہم رسانی

سنٹرل واٹر اینڈ پاور کمیشن کی سفارش پر ضلع میں ۱۵۰۰ کلوواٹ پاور تیار کرنے کے لئے ایک سکیم تیار کی گئی ہے جس کی رو سے کرگل میں تین اور لیہہ میں ایک پن بجلی گھر قائم کئے جا رہے ہیں۔ قومی ایمرجینسی کے پیش نظر اس سکیم پر فی الحال عمل کرنا ملتوی کر دیا گیا ہے تاہم علاقہ میں چھوٹے پیمانے پر برقی قوت پیدا کرنے کی غرض سے سال رواں کے دوران لیہہ اور کرگل میں ایک ایک ڈیزل سٹیشن قائم کیا جا رہا ہے اور اس غرض کے لئے ۶۴-۱۹۶۳ء کے بجٹ میں ۱۰ لاکھ ۶۰ ہزار روپے کی رقم مخصوص ہے۔

تعلیمی ترقی

حکومت جموں و کشمیر نے لداخ کے لوگوں میں تعلیمی شعور پیدا کرنے کے لئے خاص توجہ دی ہے۔ ضلع کے دور افتادہ علاقوں حتیٰ کہ وادیٔ نوبرا۔ چانگ تھانگ اور زانسکار میں بھی سکول کھولے جا چکے ہیں۔ یہاں ۱۹۵۳ء سے آج تک سکولوں کی تعداد میں دس گنا اضافہ ہوا ہے۔

ضلع کے اندر ۱۹۵۳ء میں صرف ۵۳ سکول تھے جن میں لڑکیوں کا ایک اور لڑکوں کے ۵۰ پرائمری اور ۲ ہائی سکول شامل تھے۔ مارچ ۱۹۶۳ء

کے اہتمام پر سکولوں کی تعداد ۱۷۱ تھی - اس وقت یہاں لڑکوں کے ۴ ہائی سکول ہیں - جن میں سے لیہہ میں دو اور کرگل میں دو ہیں - اس کے علاوہ یہاں دو لوئر ہائی سکول - ۹ مڈل سکول - ۸۰ اسنٹرل سکول اور ۱۶۲ پرائمری سکول ہیں - نیز ۱۷ مکتبوں اور پاٹھ شالاؤں کو بھی امداد دی جا رہی ہے - یہاں دو سوشل سنٹر ہیں - ایک لیہہ کے نزدیک فیا میں اور دوسرا کرگل میں سکولوں میں مارچ ۱۹۶۳ء تک ۴۹۶۳ طلباء اور ۷۴۸ طالبات زیر تعلیم تھیں - لیہہ اور کرگل میں جو ہائی سکول ہیں، ان کے ساتھ بی - ای - سی تربیتی کلاسیں بھی وابستہ ہیں - جن میں دونوں مرد اور خواتین طالب علم اساتذہ تربیت پاتی ہیں ضلع میں تعلیمی امور کی دیکھ ریکھ کے لئے ۳۷۰ استادوں کے علاوہ ایک ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز اور ہائی سکولوں کے چار ہیڈ ماسٹر تعینات ہیں -

حال ہی میں دس ہزار روپے سے زیادہ رقم اس غرض کے لئے منظور کی گئی کہ زیادہ سے زیادہ طلباء تعلیم پانے کے لئے راغب ہوں اور ان کی ہر ممکن حوصلہ افزائی ہو سکے - اور غریب و پسماندہ طبقوں سے تعلق رکھنے والے طلباء میں ایک ہزار روپے کی مالیت کی کتابیں مفت تقسیم کی گئیں - ایسے طالب علموں کو قابلیت اور غربت کے وظائف کی صورت میں بھاری امداد دی جا رہی ہے جو اعلےٰ تعلیم پانے کے خواہشمند ہوں - ان کے علاوہ ریاست کے کالجوں میں داخلہ پانے والے طلباء کو بھی ۲۵ سے ۵۰ روپے تک کے خاص ماہانہ وظیفے دیئے جاتے ہیں -

حال ہی میں لداخ سے چھ طلباء کو ایم - بی - بی - ایس - چار کو انجینئرنگ - ایک کو نرسنگ اور ایک کو ایل - ایل - بی کے مضمون میں تربیت پانے کے لئے باہر بھیج دیا گیا - کچھ عرصہ ہوا کہ ایک طالب علم ایم - بی - بی - ایس کی تربیت پا کر

واپس آ بھی گیا۔ اور اُسے لیہہ کے ہسپتال میں تعینات کیا جا چکا ہے۔ اتفاق سے یہ ریاست کا پہلا لداخی ڈاکٹر ہے۔ اس وقت ریاست کے مختلف کالجوں میں ۷۵ طلباء تعلیم پا رہے ہیں۔ لیہہ میں ایک بورڈنگ ہاؤس ہے جس میں ۵۰ طلباء ٹھہر سکتے ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ درجن سکولوں کے لئے پختہ عمارتیں بنائی جا چکی ہیں۔

حالیہ مردم شماری کے مطابق لداخ کی شرح خواندگی ۳ء۸ فی صد ہے۔ موجودہ سال کے دوران چھ بیسک ایکٹوٹی سکول اور چھ گشتی سکول کھولنے کی تجویز ہے۔ سرحدی علاقوں کے طلباء میں ۳۰ روپے ماہانہ کے ۲۵۰ وظیفے دیئے جائیں گے۔

طبی سہولیات

ضلع کے رہنے والے عوام کو طبی امداد بہم پہنچانے کی غرض سے یہاں پورے ساز و سامان سے لیس دو ہسپتال اور ڈسپنسریوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ لیہہ اور کرگل کے ہسپتالوں میں دانتوں کے علاج، ایکسرے، مختلف امراض اور اپریشن کے باقاعدہ شعبے ہیں۔ لیہہ کے ہسپتال میں ۲۰ اور کرگل کے ہسپتال میں ۴ بستر ہیں۔ اس کے علاوہ کھلسے، ریدم، سنکو، شکر چوکتس اور چوشول میں چھ ایلوپیتھک ڈسپنسریاں ہیں۔ نیز نوبرا میں ایک ہیلتھ یونٹ اور سسپول، لمرک اور نشش کھریو میں چار ابتدائی امداد کے مراکز ہیں۔ اس کے علاوہ ضلع میں بارہ امچی ہیں۔ چھ کرگل میں اور چھ لیہہ میں۔ ان مقامی وئیدوں کو سالانہ ۱۹۰۰ روپے کی مالیت کی مالی امداد دی جاتی ہے۔ جس میں ادویات کے لئے ۳۰۰ روپے کی گرانٹ بھی شامل ہے۔

کمپونڈروں، سینیٹری انسپکٹروں، لیبارٹری ماہرین، دائیوں اور نرسوں کی تربیت کے لئے ٹریننگ کلاسیں کھولی گئی ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ مقامی

باشندے ان شعبوں میں تربیت پا سکیں۔

خوراک اور اشیاء ضروریہ کی بہم رسانی

ایک تخمینہ کے مطابق ضلع میں گرم۔ جَو۔ گندم ایسے اجناس کی سالانہ پیداوار ۲٫۵ لاکھ من ہے۔ لداخ کے کسی بھی حصّے میں نہ شالی پیدا ہوتی ہے اور نہ پیدا ہو سکتی ہے۔ ضلع لداخ میں ہمیشہ خوراک کا توڑا رہا ہے۔ پہلے پہل یہاں مالیہ جنس کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا لیکن ۱۹۵۳ء میں اس طریقۂ کار کو کلیتاً ختم کر دیا گیا۔ اور وادئ کشمیر سے اجناس درآمد کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ مقامی طور پر پیداوار بڑھانے کی کوششیں بھی کی گئیں۔ خوراک کے خسارے کو پورا کرنے کے لئے وادئ کشمیر سے ہر سال تقریباً ۲۸ ہزار من غلّہ اور ضرورت کی دوسری چیزیں ہوائی جہازوں کے ذریعہ لیہہ لائی جاتی تھیں۔ حکومت لوگوں کو سستے داموں غلہ مہیّا رکھنے کے لئے ہر سال ۴ سے ۵ لاکھ روپے تک خرچ کرتی ہے۔ ایک تخمینہ کے مطابق گرم۔ جَو۔ گندم اور ایسے ہی دوسری اجناس کی سالانہ پیداوار ۲٫۵ لاکھ من ہے۔ سال ۱۹۶۲-۶۳ء کے دوران لیہہ میں چشول۔ نوبرا۔ کرگل۔ دراس اور زانسکار میں خوراک اور دوسری چیزوں کی بہم رسانی کے لئے چھ سنٹر کام کر رہے تھے۔ تبت سے لداخ کی تجارت بند ہو جانے کی وجہ سے یہاں نمک کی کافی کمی واقع ہوئی تھی۔ اس قلّت کو دور کرنے کے لئے وادئ کشمیر سے بھاری پیمانے پر نمک درآمد کیا گیا۔ محکمہ سپلائیز نے اس سال کے دوران مقامی باشندوں میں ۴۰۰۰ من چاول۔ گندم کے ۸۳۲۰ من۔ تقریباً ۱۹۰۰ من نمک اور ۲۰۰۰ من کا تیل تقسیم کیے۔ تیل خاکی کے معاملے میں اضافے کی شرح پچھلے سال کے مقابلے میں چھ گنا زیادہ رہی ہے۔ اس طرح کھانڈ کے مقابلہ میں ۳۰۰ فی صد درآمدی

لداخ کے مرکزی قصبہ لیہہ کے بازار کا منظر
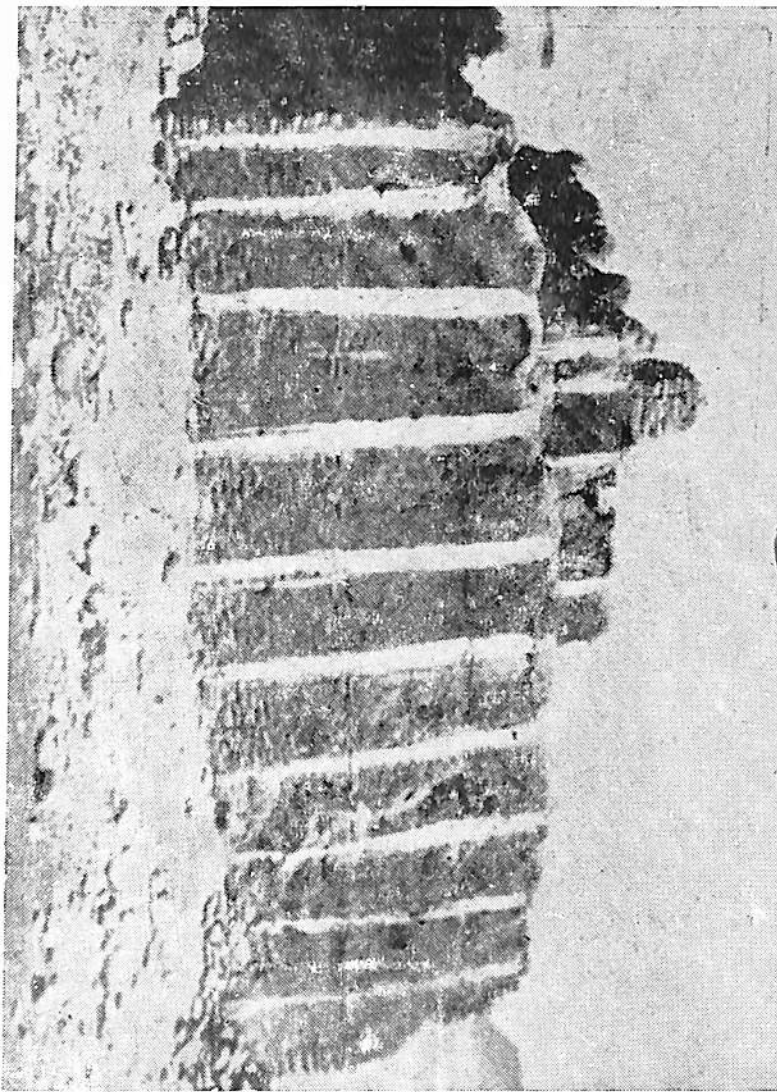
وسط تبت کے مقام تکلا کوت میں جرنیل زورآور سنگھ کی سمادھی -

اضافہ ہؤا اور آٹے میں ۶۰۰ فی صد۔ دوسری چیزوں کی درآمد میں بھی پہلے کی نسبت ۱۰۰ فی صد کا اضافہ ہؤا ہے۔ یعنی سرینگر روڈ کی بدولت اب لوگوں کو پہلے کے مقابلہ میں سستے داموں پر ضرورت کی چیزیں مہیّا ہو رہی ہیں۔

جنرل زورآور سنگھ کے متعلق چند دلچسپ حکایات

۱۸۳۴ء میں جب وزیر زورآور سنگھ گورنر کشتواڑ کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے جموں بلا کر فتح لداخ کا ارشاد کیا۔ اور وزیر موصوف کو لداخ کی مہم کے لئے وداع کر رہے تھے تو مہاراجہ نے فخریہ لہجہ میں کہا کہ "ہمارا بہادر جرنیل وزیر زورآور سنگھ لداخ کی مہم کو سر کرنے جا رہا ہے۔ اب ہماری فتح ضرور ہو گی۔"

اس موقعہ پر ایک حاسد معزز درباری نے تمسخرانہ طنز کے طور پر آہستہ سے کہا "جی ہاں! وزیر لداخ سے نیولے لاد کر لائے گا۔۔۔!"

اس درباری کی طنز مہاراجہ اور وزیر موصوف کے کانوں میں پڑ گئی۔ لیکن بات آئی گئی ہو گئی۔

وزیر زورآور سنگھ نے اس طنزیہ تمسخر کا جواب عملی طور پر دینے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اور آگے جاتے ہوئے کنڈولی نگروٹہ کی جنگلی جھاڑیوں سے نیولے کے بچے پکڑوا کر اپنے ساتھ رکھ لئے۔ نیولا انسان سے جلدی مانوس ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ نیولے وزیر موصوف سے اس طرح ہل گئے کہ کتوں کی مانند ان کے آگے پیچھے چلنے لگے۔ کپڑے کی چھوٹی چھوٹی پوٹلیوں میں چھٹانک چھٹانک بھر وزنی پتھر ڈال کر ان نیولوں کی پیٹھ پر لادنے

کی عادت بھی ڈالی گئی۔

وزیر موصوف لداخ فتح کر کے مہاراجہ گلاب سنگھ سے ملنے کے لئے جموں کی طرف آ رہے تھے تو مہاراجہ گلاب سنگھ ان کی پیشوائی کے لئے معہ اپنے درباریوں کے کنڈولی نگروٹہ پہنچ گئے۔ جب وزیر موصوف معہ اپنی فوج کے کنڈولی نگروٹہ پہنچے تو مہاراجہ نے فوراً خود آگے بڑھ کر "جے دیا" کہہ کر وزیر موصوف کو گلے لگا لیا اور کہا۔ "پہلے ہم تین بھائی تھے۔ اب چوتھے آپ۔"

مہاراجہ کی نگاہ زری دار تھیلیوں میں ہیرے نیلم سے لدے ہوئے نیولوں (جو وزیر موصوف کے آگے پیچھے چل رہے تھے) پر بھی پڑی تو حیرانی اور خوشی کے لہجے میں کہا۔ "وزیر جی! لداخ سے نیولے لاد کر لے ہی آئے۔"

وُہ معزز درباری شرمندہ ہو گیا۔

٭ ٭ ٭

مہاراجہ گلاب سنگھ کے ان الفاظ "پہلے ہم تین بھائی تھے، اب چوتھے آپ" سے وزیر زور آور سنگھ اتنے متاثر ہوئے کہ وُہ مہاراجہ کے سچے سیوک بھائی بن گئے۔ اور جو تحفے تحائف ان کو اس مہم کی فتح پر ملے تھے، مہاراجہ کے قدموں پر رکھ دیئے۔ اور اُسی روز سے، سرکاری خزانہ سے جو تنخواہ اُن کو ملتی تھی، اُنھوں نے وُہ بھی لینا بند کر دی۔ بلکہ ریاسی میں جو اپنی منقولہ ذاتی جائداد تھی، وُہ بھی سرکاری قلعہ بھیم گڑھ ریاسی میں جمع کروا کر اپنے آقاء نامدار کے قدموں پہ ارپن کر دی۔ (یہ جائداد کرنل وزیر الیشری سنگھ کو مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے وقت واپس کر دی گئی تھی) اور خود ایک تیاگی، دیش بھگت بہادر کا رُوپ دھارن کر لیا۔

رتبہ میں جامِ شہادت پینے کے وقت وزیر موصوف کی اپنی کوئی نجی جائداد نہ تھی ماسوائے اپنے آقا کی وفاداری اور دیش بھگتی کے۔

٭ ٭ ٭

کہتے ہیں کہ وزیر موصوف مہاراجہ کے فوجی گودام سے صرف وہی خوراک جو کہ سپاہیوں کو دی جاتی تھی، اپنے راشن میں لینے لگے۔ پوشاک پرانی ہونے پر بھی جب تک مہاراجہ کا ارشاد نہ ہوتا تب تک نئی پوشاک نہ پہنتے۔ دوسری اور تیسری مہم لداخ میں مصروفیت کے وقت مہاراجہ کی طرف سے وزیر موصوف کو پوشاکیں جموں سے جاتی تھیں۔

٭ ٭ ٭

یہ ہے اُس بہادر دیش بھگت ڈوگرہ وِیرکے کیریکٹر کا ایک نہ مٹنے والا نقش۔ وہ گمنام دیش بھگت ڈوگرہ بہادر سپاہی لوگ جو بلا کسی دنیاوی لالچ۔ دھن دولت اور عیش و آرام کے خیال کو ایک سیکنڈ بھی اپنے دل میں نہ لاتے ہوئے اور اپنے بال بچوں کا موہ چھوڑ کر صرف آن کی خاطر وزیر زورآور سنگھ کے کندھے سے کندھا ملا کر اپنے ملک پر قربان ہو گئے۔ وہ بھی اپنے پیچھے ڈوگرہ کیریکٹر کے نہ مٹنے والے نقش ہی چھوڑ گئے۔ جن پر ڈوگروں کا بھارتیہ قوم کا ایک انگ ہوتے ہوئے فخر سے سر اونچا ہوتا ہے جنہوں نے اس ریاست کی حدود کو ہمالیہ کے اُس پار تائم کر کے چین جیسی دنیا کی بہت بڑی سلطنت کو جھکنے پر مجبور کر دیا تھا اور ایک ایسی ریاست کی بنیاد قائم کی جس میں آج بھی دنیا کے تین عظیم مذاہب اور کلچر کے انسان ایک جھنڈے تلے دنیا کو اپنا درس دکھلا رہے ہیں۔

وِشواس گھات

وزیر زور آور سنگھ ریاسی پرگنہ کا حاکم تھا۔ اور اپنے احکام کی تعمیل کرانے کے لئے روہیلے سپاہی مقرر کئے تھے۔ ایک بار موضع ماڑی تحصیل ریاسی کے موجودہ نمبردار شب رام کے ایک غیرت مند اور غیور بزرگ نے وزیر زور آور سنگھ کے روہیلے سپاہی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جو کہ بقایا مالیہ کی وصولی کے لئے اُس کے پاس آیا تھا۔ روہیلے سپاہی نے ماڑی کے اِس بزرگ کو ایک مذہبی قسم دے دی جب کہ وُہ کھانا کھا رہا تھا کہ "تمہیں قسم ہے اُس لوتر۔۔۔ کی جو کھانا کھاؤ پہلے مجھے مالیہ ادا کرلو"۔ اِس پر اُس خود دار بزرگ نے روہیلے کو وہیں ڈھیر کر دیا اور بھاگ کر اپنے ننہال موضع سیر سنڈھواں میں جا چھپا۔ وزیر نے سرکاری آدمی کے قاتل کی گرفتاری کے لئے انعام مقرر کر دیا۔ تب اُس رُوپوش بزرگ کے ماموں نے، جس کے ہاں اُس نے پناہ لی تھی، اپنے بھانجے کو دھوکے سے ہلاک کر کے اُس کا سر وزیر زور آور سنگھ کے پیش کر دیا۔ وزیر نے اشتہاری مفرور قاتل کا سر دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ اور سر لانے والے (بھانجے کے ماموں) کے متعلق حکم دیا کہ اِسے گرفتار کر لیا جائے اور ریاسی کی پریڈ میں زندہ گاڑ کر اِسے کتوں سے نوچوایا جائے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور آئندہ اِس دیس میں کسی بھی شخص کو وِشواس گھات ایسا پاپ کرنے کی جرأت نہ ہو۔ ایسے غیرت مند شخص کو زندہ گرفتار کر کے لایا جاتا تو یقیناً گرفتار کرنے والا مستحقِ انعام تھا۔ لیکن پناہ میں آئے ہوئے ایک شخص کو خواہ وُہ مجرم ہی کیوں نہ ہو، انعام کے لالچ میں قتل کر دینا ہمارے کلچر اور تمدّن کی توہین ہے اور انسانیت کے خلاف ہے۔

جرنیل زور آور سنگھ کی سمادھ

سوامی پرناوانند ایف۔ آر۔ بی۔ ایس اپنی ڈائری میں رقمطراز ہے۔
" مجھے تکلاکوٹ کے مقام پر پہنچ کر دنیا کے عظیم جرنیل زور آور سنگھ کی سمادھی دیکھ کر بے حد حیرانی ہوئی کہ جن دشمنوں نے اُسے سونے کی گولی داغ کر ہلاک کیا تھا، اُنہوں نے اُس کی سمادھی تعمیر کی ہوئی ہے۔ اور ہر سال اِس سمادھی پر میلہ لگتا ہے۔ زور آور سنگھ کے جسم کا گوشت سمبلنگ گونپا میں اور دوسری طرف ساکیا گونپا میں اُس کا ایک ہاتھ محفوظ حالت میں رکھا گیا ہے۔

تبت میں مناسا کھانڈہ کی کچھ زیارت گاہوں میں زور آور سنگھ کا زرہ بکتر اور ڈھال آج تک فتح کے نشان کے طور پر محفوظ رکھے گئے ہیں۔ زور آور سنگھ کی شتابدی دھرم سیوا سنگھ نے تکلاکوٹ میں منائی تھی جبکہ راقم الحروف نے جرنل موصوف کے زرہ بکتر اور ڈھال تبتیوں سے عاریتاً لے کر وہاں نمائش کے طور رکھے تھے۔ دنیا بھر کی تواریخ میں یہ ایک لاثانی واقعہ ہے۔ جب کہ دشمن نے ایک شکست یافتہ جرنیل کی بہادری کی یادگار میں ایک میموریل تعمیر کیا ہوا ہے۔"

از کیلاش مانسرور
۲۸ دسمبر ۱۹۴۸ء

سوامی پرناوانند
ایف۔ آر۔ بی۔ ایس

شجرہ نسب خاندان وزیر زور آور سنگھ جنوریہ راجپوت

موضع بجے پور۔ تحصیل ریاسی۔ ضلع اُودھم پور

زور آور سنگھ

|

اندرو

|

چتر سنگھ (از زوجہ سوم)

|

دلیپ سنگھ — جمعیت سنگھ — پریتم سنگھ

نوٹ۔ یہ شجرہ نسب تحصیل ریاسی کے ریکارڈ سے لیا گیا ہے۔

اختتامیہ

قارئین کرام سے بندہ التماس خدمت ہے کہ یکم مئی ۱۹۶۴ء سے اُنیسویں صدی کے عظیم جرنیل وزیر زور آور سنگھ کی مکمل سوانح حیات اور پرانے اور موجودہ لداخ کے حالات کی ترتیب میں جہاں مجھے کئی ایک تواریخ کا مطالعہ کرنا پڑا وہاں حکومت جموں و کشمیر کے نفسِ ناطقہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً جاری کردہ پریس نوٹوں سے بھی مجھے اس کتاب کی تکمیل میں بہت زیادہ روشنی ملی۔ یوں تو جرنیل زور آور سنگھ کی زندگی کے حالات اور اُس عظیم سپہ سالار کی بہادری اور جانبازی کے واقعات سے متعلق تواریخ بھری پڑی ہیں۔ لیکن جرنیل موصوف کی زندگی کے مکمل حالات پر کوئی علیحدہ کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی تھی جس میں پیدائش سے لے کر اس جانباز شخصیت کے امر ہونے تک کے کارنامے سلسلہ وار درج ہوں چنانچہ میں نے کوشش کی ہے کہ بلند مرتبت جرنیل کی امر کہانی اور لداخ کے بدلتے ہوئے روپ کو بغیر کسی زیب داستاں اور بخل کے مرتب کر کے عوام کی خدمت میں پیش کر سکوں۔ اس دوران میں میں نے گلاب نامہ فارسی مؤلفہ دیوان کرپا رام۔ گلاب سنگھ مصنفہ سردار کے۔ ایم۔ پانیکر۔ مولوی حشمت اللہ کی تاریخ جموں۔ لداخ مصنفہ الیگزنڈر کننگھم۔ تاریخ کشمیر محمد دین فوقؔ۔ سوانح حیات فارسی دیوان ارجن مل گوندلیہ کے علاوہ چند ایک غیر ملکی سیاحان کی ڈائریاں اور مہم لہاسہ و بلتستان میں وزیر موصوف کے ہمرکاب مہتہ بستی رام اور گنگا رام نکاشی کی ہندی تحریریں اور

روزنامچے پڑھے۔ اور پڑھ کر حالات و نشوا بار کو سلسلہ وار لکھا ہے مجھے رانا گوپال سنگھ گلیان نے جرنیل زور آور سنگھ کے بچپن کے حالات تفصیل وار بتائے۔ جن کے بزرگوں کے ہاں زور آور سنگھ نے مرمت گلیان میں پرورش پائی اور سپاہیانہ تربیت حاصل کی تھی۔

اِس کتاب میں چند ایک عکسی تصاویر بھی دی گئی ہیں لیکن مجھے افسوس ہے کہ دیوان ہری چند، وزیر رتنوں اور وزیر لکھپت کے فوٹو ز باوجود ہزار کوششوں کے بھی حاصل نہ کر سکا۔

ہو سکتا ہے کہ اِس کتاب میں کوئی خامی رہ گئی ہو۔ کیونکہ اِنسان خامیوں کا پُتلا ہے۔ لیکن مجھے یہ سکون ہے کہ مَیں نے اُنیسویں صدی کے عظیم جرنیل وزیر زور آور سنگھ کی سوانح حیات اور لداخ کے حالات تاریخی رنگ میں پیش کر کے کچھ نہ کچھ قومی اور تاریخی خدمت کی کوشش تو کی ہے۔ ع

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

جموں - ۱۶ ستمبر ۱۹۶۷ء

نرسنگداس نرگس

(چاند پریس۔ گمٹ گیٹ جموں)